بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

نیپال اردو ٹائمز
ہفت روزہ

Weekly
The NEPAL URDU TIMES

جلد نمبر۱ VOL:(1) | چیف ایڈیٹر: عبدالجبار علیمی نظامی weeklynepalurdutimes@gamil.com | 12 صفحات | 23/ جولائی 2026 مطابق 07/ صفر المظفر 1448ھ / 07 گتے ساون 2083 | شمارہ نمبر ۹۹ ISSUE 99)

اعلانِ خصوصی ضمیمہ

الحمد للہ!

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، معزز قارئین کے اعتماد، اہلِ قلم کے قیمتی تعاون اور مخلص معاونین کی حوصلہ افزائی سے نیپال اردو ٹائمز اپنے سو (۱۰۰) شمارے کامیابی کے ساتھ مکمل کرنے جا رہا ہے۔

اس خوشی کے موقع پر ادارتی ٹیم اپنے تمام قارئین، لکھاریوں، کالم نگاروں، دانشوروں، شعراء، صحافیوں، مشتہرین اور تمام خیر خواہوں کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہے، جن کی محبت، اعتماد اور تعاون اس سفر کا قیمتی سرمایہ رہا ہے۔

ہم خوشی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ خصوصی ضمیمہ کے طور پر شائع کیا جائے گا، جسے ہر اعتبار سے یادگار، معلوماتی اور تاریخی بنانے کی بھرپور کوشش کی جائے گی تاکہ یہ شمارہ قارئین کی مطالعہ کی میز کی زینت بن سکے۔

اس سلسلے میں تمام معزز قارئین، اہلِ قلم، شعراء، ادباء، دانشوروں اور کالم نگاروں سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے تاثرات، تحقیقی و فکری مقالات، مضامین، کالم، یادداشتیں، پیغامات اور تجاویز ارسال فرما کر اس خصوصی اشاعت میں اپنا قیمتی قلمی تعاون پیش کریں۔

آپ کی تحریریں اور آراء ہی اس خصوصی ضمیمے کو مزید جامع، مؤثر اور یادگار بنانے میں اہم کردار ادا کریں گی۔

نیپال اردو ٹائمز
ادارتی ٹیم

"سو شماروں کا کامیاب سفر... آپ کے اعتماد کے ساتھ، اور ان شاء اللہ یہ سفر اسی عزم کے ساتھ جاری رہے گا۔"

ادارتی ٹیم:

مولانا رضوان احمد مصباحی صحافی، ابو افسر مصباحی صحافی و تجزیہ نگار، مولانا شفیق رضا ثقافی سینئر صحافی، حافظ احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی سینئر صحافی، مولانا عبدالقیوم سعدی سوشل میڈیا ڈائیریکٹر، مولانا خوشبو الدین نظامی صحافی، مولانا بلال احمد برکاتی تجزیہ نگار و کالم نگار، مولانا محمد حسنین برکاتی ابن علامہ مشتاق برکاتی صحافی و کالم نگار۔

مشیر اعلیٰ: حضرت علامہ نور محمد خالد مصباحی نیپال

ان شاللہ تفصیل آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ایران مذاکرات میں سنجیدہ نہیں۔ ہرمز پر کنٹرول کی اجازت خطرناک مثال ہوگی۔ مارکو روبیو

لندن: (نیوز ایجنسی) منیلا امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو نے ایران پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ امریکہ کے ساتھ ہونے والے معاہدوں کی پاسداری نہیں کر رہا اور مذاکرات میں سنجیدہ رویہ اختیار نہیں کر رہا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اگر ایران کو آبنائے ہرمز پر کنٹرول حاصل کرنے دیا گیا تو یہ عالمی تجارت اور بحری آمدورفت کی آزادی کے لیے نہایت خطرناک مثال ثابت ہوگی۔ فلپائن کے دارالحکومت منیلا میں آسیان کے بعد از وزارتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مارکو روبیو نے کہا کہ امریکہ اب بھی سفارت کاری پر یقین رکھتا ہے اور ایران کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے اختلافات حل کرنے کے لیے تیار ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران نے براہ راست اور بالواسطہ دونوں ذرائع سے امریکہ کے ساتھ مذاکرات کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن طے پانے والے معاہدوں پر عمل نہیں کیا۔ روبیو نے کہا کہ اگر ایران سنجیدگی سے بات چیت کرنا چاہتا ہے تو امریکہ بھی پوری سنجیدگی کے ساتھ تیار ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا تو امریکہ اپنے اور اپنے اتحادیوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کرے گا۔

امریکی وزیر خارجہ نے ایران کے اس مؤقف پر بھی تنقید کی کہ اسے آبنائے ہرمز سے گزرنے والے بحری جہازوں کی نقل و حرکت پر اختیار حاصل ہونا چاہیے۔ ان کے مطابق آبنائے ہرمز ایک بین الاقوامی آبی گزرگاہ ہے اور کسی بھی ملک کو اس پر یکطرفہ کنٹرول کا حق حاصل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر کسی ملک کو طاقت کے زور پر عالمی آبی گزرگاہ پر کنٹرول کرنے اور جہازوں سے محصول وصول کرنے یا ان پر حملہ کرنے کی اجازت دی گئی تو یہ نہایت خطرناک نظیر قائم کرے گا جس کے اثرات دنیا کے دوسرے علاقوں تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ روبیو نے کہا کہ اصل مسئلہ صرف آبنائے ہرمز نہیں بلکہ عالمی سطح پر بحری آمدورفت کی آزادی کا بنیادی اصول ہے۔ اگر اس اصول کو نقصان پہنچا تو عالمی معیشت اور گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے قائم بین الاقوامی تجارتی نظام بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ انہوں نے ایک بار پھر واضح کیا کہ امریکہ مثبت اور تعمیری مذاکرات کے لیے تیار ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کیے گئے وعدوں اور معاہدوں کی مکمل پاسداری کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو اس کے نتائج بھی سامنے آئیں گے۔

یہ بیان ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب گزشتہ ماہ امریکہ اور ایران کے درمیان کشیدگی کم کرنے اور ایران کے جوہری پروگرام سمیت اہم معاملات پر مذاکرات کی راہ ہموار کرنے کے لیے طے پانے والی ۱۴ نکاتی مفاہمتی یادداشت ناکام ہو چکی ہے۔ معاہدے کی ناکامی کے بعد مغربی ایشیا میں ایک بار پھر کشیدگی بڑھ گئی ہے۔ امریکہ نے ایران کے فوجی اور بعض شہری اہداف پر حملے کیے جبکہ ایران نے جوابی کارروائی میں خلیج میں موجود امریکی اڈوں کو نشانہ بنایا

امریکی حملے کی گیارہویں رات، ایران کے فوجی اڈوں پر بم گرائے، تہران کا فضائی دفاعی نظام فعال

تہران/واشنگٹن (ایجنسیاں) امریکہ نے مسلسل ۱۱ویں رات ایران کے فوجی اڈوں پر بمباری کی ہے۔ امریکی سینٹرل کمانڈ (سینٹ کام) کا کہنا ہے کہ ان حملوں کا مقصد ایران کی آبنائے ہرمز میں تجارتی بحری جہازوں کے لیے خطرہ بننے کی صلاحیت کو کمزور کرنا ہے۔ سینٹ کام نے ایکس پر لکھا، "آج مقامی وقت کے مطابق شام ۷ بجے (مشرقی وقت)، ایرانی فوجی اہداف کے خلاف حملے کیے گئے۔ حملوں کی یہ مسلسل ۱۱ویں رات ہے۔" امریکی حملوں کی تازہ ترین سیریز کے جواب میں تہران کے فضائی دفاعی نظام کو فعال کر دیا گیا ہے۔ سی این این، الجزیرہ، اے بی سی نیوز اور سی بی ایس نیوز کی رپورٹوں کے مطابق ایران نے امریکی حملے کے پیش نظر دارالحکومت تہران کے کئی علاقوں میں فضائی دفاعی نظام کو فعال کر دیا۔ ایران کے سرکاری نشریاتی ادارے آئی آر آئی بی کے مطابق تہران کے مغربی، مشرقی اور شمال مشرقی علاقوں میں دھماکوں کی آوازیں سنی گئیں۔ سینٹ کام نے کہا، "گزشتہ تین مہینوں کے دوران، ایران نے علاقائی اور عالمی تجارت کے لئے اہم بین الاقوامی آبی گزرگاہ سے گزرنے والے ۳۰ سے زیادہ کمرشیل جہازوں پر حملہ کیا ہے۔ بلا وجہ حملوں نے سینکڑوں معصوم ملاحوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈال دیا ہے اور جہاز رانی کی آزادی کو نقصان پہنچایا ہے۔"

دریں اثنا، قطر کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ شیخ محمد بن عبدالرحمن بن جاسم الثانی نے سعودی عرب کے وزیر خارجہ فیصل بن فرحان بن عبداللہ آل سعود سے ٹیلی فون پر بات چیت کی۔ قطر کی وزارت خارجہ کے ایک بیان کے مطابق، دونوں رہنماؤں نے کشیدگی کو کم کرنے اور علاقائی سلامتی اور استحکام کو مضبوط بنانے کے لیے سفارتی کوششوں کو تیز کرنے اور رابطوں کو بڑھانے پر تبادلہ خیال کیا۔ شیخ محمد نے اس بات پر زور دیا کہ تمام فریقین کو سفارت کاری پر کاربند رہنا چاہیے اور امریکہ اور ایران کے درمیان مفاہمت کی یادداشت میں طے شدہ شقوں پر عمل درآمد کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ امریکہ - ایران جنگ کا معاملہ امریکی سینیٹ میں اٹھایا گیا۔ جنگ کے سکریٹری پیٹ ہیگستھ کو کانگریس کی سماعت کے دوران حزب اختلاف کے سخت سوالات کا سامنا کرنا پڑا جس میں ایران میں فوجی آپریشن اور اس پر اٹھنے والے اخراجات کے سوال شامل رہے۔ قابل ذکر ہے کہ امریکہ اور اسرائیل نے ۲۸ فروری کو ایران کے خلاف مشترکہ حملہ کیا تھا۔ ایران کے سپریم لیڈر علی خامنہ ای، ان کے خاندان کے کئی افراد اور سینئر کمانڈر پہلے ہی دن مارے گئے تھے۔ اس دوران صلح کی کوششیں کی گئیں۔ جون میں امریکی اور ایرانی وفود نے بات چیت شروع کی۔ جنگ بندی بھی ہوگئی۔ اس کے باوجود امریکہ اور ایران کے درمیان حملے جاری رہے۔ اس کے بعد سے آبنائے ہرمز کشیدگی کا بنیادی مرکز بنی ہوئی ہے۔

امریکی دفاعی ہیڈ کوارٹر پینٹاگون نے اردن کے ایک فضائی اڈے پر گزشتہ ہفتے ہونے والے حملے میں ہلاک ہونے والے تیسرے فوجی کی شناخت کر لی ہے۔ محکمہ دفاع نے ایک بیان میں کہا، "خیال کیا جاتا ہے کہ نیویارک کے اوزون پارک کے ۲۸ سالہ سارجنٹ اینجل ایس رام پرساد ۱۷ جولائی کو اردن کے موفق سالٹی ایئر بیس پر ایرانی حملے کے دوران ہلاک ہوگئے تھے۔ اس واقعے کی تحقیقات جاری ہیں۔ سینٹ کام نے پہلے فوجی کو لاپتہ کے طور پر درج کیا تھا۔ محکمہ نے کہا کہ اس حملے میں ٹیکساس کے کیرولٹنگی ۱۹ سالہ ازابیلا گونزالز اور ہوائی کے ایوا بیچ کے ۲۵ سالہ فرسٹ لیفٹیننٹ ٹائلر فیہان بھی ہلاک ہوگئے۔

محکمہ دفاع نے عراق میں ہلاک ہونے والے ایک فوجی کی بھی شناخت کی ہے۔ اس سے جنگ شروع ہونے کے بعد سے ہلاک ہونے والے امریکی فوجیوں کی کل تعداد ۱۸ ہو گئی ہے۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ بدھ کو حالیہ ایرانی حملوں میں ہلاک ہونے والے امریکی فوجیوں کی ایک باوقار منتقلی کی تقریب میں شرکت کریں گے۔ یہ تقریب صبح ۱۱ بجے ڈیلاویئر میں ڈوور ایئر فورس بیس پر ہوگی۔

دریں اثنا، ایران بھی پوری طرح سے جارح ہے۔ کویت نے کہا کہ وہ ایرانی ڈرون حملوں کے خلاف اپنا دفاع کر رہا ہے۔ اس کا فضائی دفاعی نظام حملوں کو روک رہا ہے۔ ایران کی سرکاری خبر رساں ایجنسی فارس نے کہا ہے کہ کویت کے علی السلم بیس کو نشانہ بنایا گیا جہاں امریکی فوجی تعینات ہیں

فرانس: یورپی یونین سے مقبوضہ مغربی کنارے سے مصنوعات کی درآمد بند کرنے کا مطالبہ

فرانس: (ایجنسیاں) فرانس نے یورپی یونین سے مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی غیر قانونی بستیوں سے مصنوعات کی درآمد بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے، فرانس کے وزیر خارجہ نے کہا کہ فرانس اور یورپ یہ قبول نہیں کر سکتے کہ یورپ اپنی تجارت کے ذریعے ان غیر قانونی سرگرمیوں کی حمایت کرے جو اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن کے امکان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ فرانسیسی وزیر خارجہ ژاں نوئل باروٹ نے آئس لینڈ کے دارالحکومت ریکیاوک میں آئس لینڈ کی وزیر خارجہ تھورگیر دور کاترین گونارسدوتیر کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ "فرانس یورپی یونین میں غیر قانونی بستیوں سے مصنوعات کی درآمدات کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے۔" انہوں نے مزید کہا کہ "فرانس اور یورپ یہ قبول نہیں کر سکتے کہ یورپ اپنی تجارت کے ذریعے ان غیر قانونی سرگرمیوں کی حمایت کرے جو اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن کے امکان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔" باروٹ نے آئس لینڈ کے دورے کے دوران اسرائیل-فلسطین تنازع پر فرانس کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔ بعد ازاں انہوں نے دو ریاستی حل کے لیے فرانس کی حمایت کا بھی اعادہ کیا اور بتایا کہ آئس لینڈ نے ۱۵/ سال قبل ریاستِ فلسطین کو تسلیم کیا تھا جبکہ فرانس نے گزشتہ سال ہی فلسطینی ریاست تسلیم کی۔ باروٹ نے کہا کہ فلسطین میں ۲۸/ نومبر کو ہونے والے پارلیمانی انتخابات فلسطینی پارلیمان کی قانونی حیثیت اور صدارتی انتخابات کی راہ ہموار کرنے کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ واضح رہے کہ تمام مخالفت کے باوجود اسرائیل مغربی کنارے پر غیر قانونی یہودی بستیوں کی توسیع جاری رکھے ہوئے ہے، جبکہ اقوام متحدہ نے ان بستیوں کو غیر قانونی قرار دیا ہے۔ ان غیر قانونی بستیوں میں قیام پذیر یہودیوں کے فلسطینی علاقوں پر حملوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، ان میں لوٹ، زمینوں پر قبضے، منظم حملے، آگ زنی، اور قتل شامل ہیں۔ جس پر بیشتر ممالک کی جانب سے تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اسرائیل کو ان بستیوں کی آباد کاری سے روکنے اور دباؤ بڑھانے کے مقصد سے فرانس نے یہ مطالبہ اہم مانا جا رہا ہے۔

اسرائیلی آباد کاروں نے مقبوضہ مغربی کنارے کی مسجد کو نذرِ آتش کر دیا

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز سید ظہیر احمد فنا

رملہ جولائی (یو این آئی): مقبوضہ مغربی کنارے کے ایک گاؤں میں اسرائیلی آباد کاروں نے رات کے وقت ایک مسجد کو آگ لگا دی، جبکہ دو گھروں اور ایک ڈیری فیکٹری کو بھی نقصان پہنچایا۔ فلسطینی حکام کا ردِ عمل: فلسطینی حکام نے اس واقعے کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے منظم حملہ قرار دیا ہے۔ گاؤں کی کونسل کا بیان: میڈیا رپورٹس کے مطابق گاؤں کونسل کے سربراہ محمد ربیع نے بتایا کہ دو درجن سے زائد، جن میں بعض نقاب پوش آباد کار بھی شامل تھے، رات کے وقت التقویٰ مسجد میں داخل ہوئے اور اسے نذرِ آتش کر دیا۔ حملہ آوروں کی کارروائیاں: حملہ آوروں نے دو رہائشی مکانات اور خواتین کے زیرِ انتظام چلنے والی ایک ڈیری فیکٹری کو بھی آگ لگا دی، جبکہ مسجد کی دیواروں پر عبرانی زبان میں نعرے بھی تحریر کیے۔

مقامی لوگوں کا ردِ عمل: انہوں نے کہا کہ گاؤں کے مکین گھروں سے باہر نکل آئے، جس پر آباد کار فرار ہوگئے، جبکہ مقامی رضاکاروں نے بروقت کارروائی کرتے ہوئے آگ کو مزید پھیلنے سے پہلے بجھا دیا۔ نقصان کا جائزہ: عینی شاہدین کے مطابق مسجد کے داخلی دروازے، کھڑکیاں اور نماز کی صفوں کا ایک حصہ آگ سے متاثر ہوا، جبکہ ڈیری فیکٹری کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ محمد ربیع نے کہا کہ خوش قسمتی سے اس حملے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

اسرائیلی پولیس کا موقف: دوسری جانب اسرائیلی پولیس نے بتایا کہ گاؤں میں ایک گاڑی، عبادت گاہ کے دروازے اور دیگر املاک کو نقصان پہنچانے اور دیواروں پر گرافٹی بنانے کی اطلاع ملنے کے بعد پولیس اہلکار موقع پر پہنچے اور واقعے کی تحقیقات جاری ہیں۔

فرانس: یورپی یونین سے مقبوضہ مغربی کنارے سے مصنوعات کی درآمد بند کرنے کا مطالبہ

فرانس: (ایجنسیاں) فرانس نے یورپی یونین سے مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی غیر قانونی بستیوں سے مصنوعات کی درآمد بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے، فرانس کے وزیر خارجہ نے کہا کہ فرانس اور یورپ یہ قبول نہیں کر سکتے کہ یورپ اپنی تجارت کے ذریعے ان غیر قانونی سرگرمیوں کی حمایت کرے جو اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن کے امکان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ فرانسیسی وزیر خارجہ ژاں نوئل باروٹ نے آئس لینڈ کے دارالحکومت ریکیاوک میں آئس لینڈ کی وزیر خارجہ تھورگیر دور کاترین گونارسدوتیر کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ "فرانس یورپی یونین میں غیر قانونی بستیوں سے مصنوعات کی درآمدات کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے۔" انہوں نے مزید کہا کہ "فرانس اور یورپ یہ قبول نہیں کر سکتے کہ یورپ اپنی تجارت کے ذریعے ان غیر قانونی سرگرمیوں کی حمایت کرے جو اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن کے امکان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔" باروٹ نے آئس لینڈ کے دورے کے دوران اسرائیل-فلسطین تنازع پر فرانس کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔ بعد ازاں انہوں نے دو ریاستی حل کے لیے فرانس کی حمایت کا بھی اعادہ کیا اور بتایا کہ آئس لینڈ نے ۱۵/ سال قبل ریاستِ فلسطین کو تسلیم کیا تھا جبکہ فرانس نے گزشتہ سال ہی فلسطینی ریاست تسلیم کی۔ باروٹ نے کہا کہ فلسطین میں ۲۸/ نومبر کو ہونے والے پارلیمانی انتخابات فلسطینی پارلیمان کی قانونی حیثیت اور صدارتی انتخابات کی راہ ہموار کرنے کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ واضح رہے کہ تمام مخالفت کے باوجود اسرائیل مغربی کنارے پر غیر قانونی یہودی بستیوں کی توسیع جاری رکھے ہوئے ہے، جبکہ اقوام متحدہ نے ان بستیوں کو غیر قانونی قرار دیا ہے۔ ان غیر قانونی بستیوں میں قیام پذیر یہودیوں کے فلسطینی علاقوں پر حملوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، ان میں لوٹ، زمینوں پر قبضے، منظم حملے، آگ زنی، اور قتل شامل ہیں۔ جس پر بیشتر ممالک کی جانب سے تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اسرائیل کو ان بستیوں کی آباد کاری سے روکنے اور دباؤ بڑھانے کے مقصد سے فرانس نے یہ مطالبہ اہم مانا جا رہا ہے۔

"ہم جنتر منتر نہیں چھوڑیں گے"، سی جے پی کے احتجاج کا تیسرا دن، بیرون ملک سے بھی حمایت

بھارت: (ایجنسیاں) دہلی کے جنتر منتر میں کاکروچ جنتا پارٹی (CJP) کا احتجاج تیسرے روز بھی جاری رہا، جہاں مظاہرین نے واضح کیا کہ جب تک ان کے مطالبات تسلیم نہیں کیے جاتے، دھرنا ختم نہیں ہوگا۔ ادھر ملک کی مختلف اپوزیشن جماعتوں نے احتجاج کی حمایت کا اعلان کیا، جبکہ امریکہ کے نیویارک اور سان ہوزے سمیت کئی شہروں میں بھی یکجہتی کے مظاہرے کیے گئے۔ اسی دوران سپریم کورٹ نے پولیس کارروائی کے خلاف دائر فوری سماعت کی درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا، جبکہ سیاسی لیڈروں نے حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ دہلی کے جنتر منتر میں جاری کاکروچ جنتا پارٹی (CJP) کے احتجاج نے تیسرے روز مزید شدت اختیار کر لی۔ ہزاروں طلبہ، نوجوان، والدین اور مختلف تنظیموں کے کارکن بدستور احتجاجی مقام پر موجود ہیں اور قیادت کا کہنا ہے کہ جب تک حکومت ان کے مطالبات پر عملی فیصلہ نہیں کرتی، دھرنا ختم نہیں کیا جائے گا۔ مظاہرین کی جانب سے "سنسد چلو" تحریک کے بعد بھی احتجاج جاری رکھنے کے اعلان نے اس تحریک کو ایک نئی سمت دے دی ہے۔

احتجاجی قیادت نے اعلان کیا کہ وہ جنتر منتر سے اس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک مرکزی وزیر تعلیم دھرمیندر پردھان کے استعفے، امتحانی نظام میں اصلاحات اور طلبہ سے متعلق دیگر مطالبات پر حکومت واضح مؤقف اختیار نہیں کرتی۔ ادھر ماحولیاتی کارکن سونم وانگچک کی بھوک ہڑتال بھی جاری ہے، جسے مختلف سیاسی جماعتوں اور سماجی تنظیموں کی مسلسل حمایت حاصل ہو رہی ہے۔ سیاسی محاذ پر بھی احتجاج کو نئی تقویت ملی۔ کانگریس کی جنرل سکریٹری پرینکا گاندھی نے طلبہ کے ساتھ ہونے والے سلوک کو "غیر جمہوری" قرار دیا، جبکہ کانگریس لیڈر پون کھیڑا نے کہا کہ پوری دنیا دیکھ رہی ہے کہ نوجوانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ عام آدمی پارٹی کے رکن پارلیمنٹ سنجے سنگھ نے بھی تمام سیاسی جماعتوں سے اپیل کی کہ وہ جنتر منتر پہنچ کر احتجاج کی حمایت کریں۔ ترنمول کانگریس کے رہنما کلیان بنرجی نے بھی حکومت پر سخت تنقید کرتے ہوئے سوال اٹھایا کہ اگر طلبہ کی آواز نہیں سنی جائے گی تو پھر کس کی سنی جائے گی۔ اس دوران سپریم کورٹ نے احتجاج کے دوران پولیس کارروائی کے خلاف دائر فوری سماعت کی درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ عدالت نے کہا کہ وہ اس معاملے پر فوری مداخلت نہیں کرے گی۔ دوسری جانب احتجاج سے متعلق سیاسی اور قانونی بحث مزید تیز ہوگئی ہے، جبکہ پولیس اور انتظامیہ کی کارروائی پر مختلف حلقوں کی جانب سے سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔

احتجاج کی بازگشت اب صرف دہلی تک محدود نہیں رہی۔ امریکہ کے نیویارک اور سان ہوزے سمیت کئی شہروں میں بھارتی برادری نے بھی یکجہتی کے مظاہرے کیے، جبکہ ملک کے مختلف حصوں میں بھی حمایت کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔ مبصرین کے مطابق یہ تحریک اب صرف ایک احتجاج نہیں بلکہ نوجوانوں کے مسائل، امتحانی نظام میں اصلاحات اور حکومتی جوابدہی سے متعلق ایک وسیع قومی بحث کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

ملکی خبریں

23/جولائی 2026 مطابق 07/صفر المظفر 1448ھ/07 گتے ساون 2083

حکومت اور مرکزی بینک آمنے سامنے:
نیشنل بینک ایکٹ میں ترمیم پر تنازعہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال حکومت کی جانب سے "نیشنل بینک ایکٹ" میں مجوزہ ترامیم پر حکومت اور نیپال راشٹر بینک کے درمیان اختلاف شدت اختیار کر گیا ہے۔ مرکزی بینک نے ان ترامیم کو اپنی خود مختاری پر حملہ قرار دیتے ہوئے شدید تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ فنانس کمیٹی میں زیر غور اس بل کے مطابق حکومت مالیاتی پالیسی پر زیادہ کنٹرول چاہتی ہے۔ دوسری جانب نیشنل بینک کا مؤقف ہے کہ اس طرح کی مداخلت سے ملکی معیشت کا استحکام خطرے میں پڑ جائے گا۔ کابینہ کی طرف سے پیش کردہ مجوزہ ترامیم میں سب سے زیادہ اعتراض ان ۳ شقوں پر ہے:۱حکومت گورنر کی تقرری اور ہٹانے کا حتمی اختیار اپنے پاس رکھنا

چاہتی ہے۔ مرکزی بینک نے اسے "سیاسی مداخلت" قرار دیا ہے۔ ۲بورڈ میں حکومتی نمائندگی: مجوزہ بل میں کابینہ کے ۲ وزراء کو بینک کے ڈائریکٹر بورڈ میں شامل کرنے کی تجویز ہے۔ بینک حکام کا کہنا ہے کہ اس سے پالیسی فیصلے متاثر ہوں گے۔ ۳ریزرو فنڈ کا استعمال: حکومت چاہتی ہے کہ بینک کے منافع اور ریزرو کا ۵۰ فیصد حصہ براہِ راست حکومتی ترقیاتی منصوبوں میں استعمال ہو۔ مرکزی بینک کے مطابق اس سے مہنگائی بڑھے گی۔ نیشنل بینک کے ایک سینئر عہدیدار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر کہا کہ اگر یہ ترامیم منظور ہوئیں تو نیپال کی کریڈٹ ریٹنگ نیچے آئے گی اور (آئی ایم ایف) ورلڈ بینک سے تعلقات خراب ہوں گے۔ بینک کا کہنا ہے کہ مالیاتی پالیسی کو سیاست سے آزاد رکھنا ہی معاشی استحکام کی ضمانت ہے۔ وزیر خزانہ نے پارلیمنٹ میں موقف اختیار کیا کہ موجودہ ایکٹ ۲۰۰۲ میں بنا تھا اور اب معیشت کی ضروریات کے مطابق نہیں۔ ان کا کہنا تھا" حکومت اور مرکزی بینک میں ہم آہنگی" پیدا کرنے کے لیے ترمیم ضروری ہے تاکہ ترقیاتی بجٹ کے لیے وسائل کا بہتر استعمال ممکن ہو

حکومت ٹیکسٹائل اور ملبوسات کی ترقیاتی کونسل قائم کرنے کے لیے تیار

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

حکومت نے ملک کے سب سے بڑے برآمدی شعبے کو نئی جان دینے کے لیے "ٹیکسٹائل اور ملبوسات ترقیاتی کونسل" قائم کرنے کا اصولی فیصلہ کر لیا ہے۔ وزیر اعظم بالین شاہ کی زیر صدارت وفاقی کابینہ کے اجلاس میں اس تجویز کی منظوری دی گئی۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ ٹیکسٹائل اور ملبوسات کا شعبہ ملکی جی ڈی پی میں ۸٫۵ فیصد اور کل برآمدات میں ۶۰ فیصد سے زائد حصہ رکھتا ہے۔ لیکن پرانے نظام، مہنگی بجلی اور جدید ٹیکنالوجی کی کمی کے باعث ہم عالمی منڈی میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

انہوں نے کہا: اب وقت آگیا ہے کہ ہم بکھرے ہوئے نظام کو ایک چھت تلے لائیں۔ نئی کونسل کا مقصد صنعت کاروں اور حکومت کے درمیان فاصلے ختم کر کے پالیسیوں کو تیزی سے نافذ کرنا ہے۔ وزیر اعظم نے مزید کہا کہ کونسل براہِ راست وزیر اعظم آفس کو رپورٹ کرے گی تاکہ

فیصلہ سازی میں تاخیر نہ ہو۔ ذرائع کے مطابق مجوزہ کونسل میں درج ذیل افراد شامل ہوں گے:

۱. چیئرمین: وزیر تجارت۔ ۲. اراکین: ۴وفاقی وزراء، ۸ صنعت کار، ۲ برآمد کنندگان، ۲ ماہرین تعلیم، ۱ نمائندہ لیبر۔ ۳. سیکرٹری: ٹیکسٹائل ڈویژن کا سیکرٹری کونسل کا سیکرٹری ہوگا۔ کونسل کو پالیسی سفارشات، فنڈز کی منظوری، بین الاقوامی معاہدوں اور ٹریننگ پروگرامز کا اختیار حاصل ہوگا۔ ۱برآمدات کا ہدف: ۲۰۲۹ تک ٹیکسٹائل برآمدات ۲۵ ارب ڈالر تک پہنچانا۔ فی الحال یہ ۱۷ ارب ڈالر ہیں۔ ۲جدید کاری: صنعتوں کو سولر، ایل ای ڈی اور ڈیجیٹل مشینری پر منتقل کرنے کے لیے سبسڈی پیکیج ۳. ہنر مندی: ہر سال ۵ لاکھ نوجوانوں کو ٹیکسٹائل ٹریننگ دے کر روزگار کے مواقع پیدا کرنا۔ ۴ویلیو ایڈیشن: کچا دھاگہ برآمد کرنے کی بجائے فنشڈ گارمنٹس پر توجہ ۵ گرین ٹیکسٹائل: یورپی یونین کے ماحولیاتی معیارات پورے کر کے (جی ایس پی) پلس کا فائدہ لینا۔ آل نیپال ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن کے چیئرمین نے اس فیصلے کو "تاریخی قدم" قرار دیا۔ انہوں نے کہا پچھلے ۱۰ سال سے ہم ایک جامع پالیسی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اب امید ہے کہ مسائل ایک جگہ حل ہوں گے

چیئرمین رہبر انصاری اور سعودی سفیر کی ملاقات

نیپال اور سعودی عرب کے مابین دوطرفہ تعاون کو فروغ دینے پر اتفاق

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

ایوانِ نمائندگان کی اہم ترین کمیٹی "صنعت، تجارت، محنت اور صارفین کے مفادات کے تحفظ کی کمیٹی" کے چیئرمین اور ممتاز نوجوان سیاست دان رہبر انصاری سے نیپال میں تعینات سعودی عرب کے سفیر فہد بن محمد بن منیخر نے ایک خصوصی اور شائستہ ملاقات کی ہے۔ یہ ملاقات کاتمنڈو میں واقع پارلیمانی کمیٹی کے دفتر میں منعقد ہوئی۔ ملاقات میں سعودی سفارت خانے کے ڈپٹی امبیسڈر اور قونصلر امور کے سربراہ عبد الرحمن الغشم بھی سفیر محترم کے ہمراہ موجود تھے، جبکہ نیپالی کمیٹی کے اعلیٰ حکام نے بھی اس میں شرکت کی۔ ملاقات کے دوران دونوں رہنماؤں نے نیپال اور سعودی عرب کے درمیان دہائیوں پر محیط دوستانہ اور سفارتی تعلقات کو مزید مضبوط بنانے کے عزم کا اعادہ کیا۔ گفتگو کا بنیادی محور دونوں ممالک کے مابین معاشی، تجارتی اور صنعتی تعاون کو نئی بلندیوں تک پہنچانا تھا۔ دونوں رہنماؤں نے اس بات پر زور دیا کہ نیپال اور سعودی عرب کے درمیان تجارتی حجم کو بڑھانے کے وسیع مواقع موجود ہیں۔ سعودی سفیر نے نیپال کے صنعتی شعبے میں سرمایہ کاری کی دلچسپی کا اظہار کیا۔ چیئرمین رہبر انصاری نے سعودی عرب کی ترقی میں نیپالی محنت کشوں کے کلیدی کردار کو سراہا۔ انہوں نے سعودی عرب میں مقیم لاکھوں نیپالی شہریوں کے حقوق کے تحفظ، روزگار کے نئے مواقع اور کام کے سازگار ماحول کے حوالے سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ دونوں معززین نے نیپال اور سعودی عرب کی پارلیمان اور قانون ساز کمیٹیوں کے مابین وفود کے تبادلوں کی ضرورت پر زور دیا تاکہ دونوں ممالک کے جمہوری اداروں کے درمیان تجربات کا تبادلہ ہو سکے

یوایم ایل کے ساتھ باضابطہ اتحاد کا عمل شروع ہو چکا ہے: پرچنڈ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپالی کمیونسٹ پارٹی کے کوآرڈینیٹر اور سابق وزیر اعظم پشپا کمل دہل 'پرچنڈ' نے باضابطہ طور پر تصدیق کی ہے کہ ان کی پارٹی اور سی پی این -یو ایم ایل کے درمیان صوبائی اور ملکی سطح پر تعاون کا عمل آگے بڑھ چکا ہے۔ انہوں نے جنگ پور دھام ایئرپورٹ پر میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے واضح کیا کہ حالیہ سیاسی تبدیلیوں نے بائیں بازو (لیفٹسٹ) کی قوتوں کے درمیان اتحاد کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کیا ہے۔ پرچنڈ اور یو ایم ایل کے چیئرمین کے پی شرما اولی کے درمیان صوبائی حکومتوں کی تشکیل کے حوالے سے تفصیلی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ دونوں رہنماؤں نے صوبوں میں پہلے ہمہ جماعتی حکومت بنانے اور پھر باضابطہ معاہدے کا مسودہ تیار کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ جہاں ایک طرف یو ایم ایل کے ساتھ اتحاد مضبوط ہو رہا ہے، وہیں پرچنڈ نے واضح کیا کہ صوبائی سطح پر اقتدار کی شراکت داری کے حوالے سے نیپالی کانگریس کے ساتھ بھی متوازی مذاکرات جاری ہیں۔ نیپالی کانگریس اور یو ایم ایل کے پرانے صوبائی اتحاد میں دراڑیں آنے کے بعد (جیسے باگمتی صوبے سے یو ایم ایل وزراء کا استعفیٰ اور سدور پشچم میں وزراء کی برطرفی)، کمیونسٹ پارٹیوں کا یہ نیا اتحاد صوبائی سطح پر انتہائی فیصلہ کن حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ پرچنڈ کا ماننا ہے کہ ملک کی قومی خود مختاری، آئین اور وفاقی نظام کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے تبدیلی کے حامی اور بائیں بازو کے مابین مشترکہ اتفاق رائے ناگزیر ہے۔ پرچنڈ نے آنے والے پارٹی کنونشن (منسیر) میں ایک بڑے سیاسی بدلاؤ کا اشارہ دیا ہے، جس کے تحت پارٹی کمیٹیوں میں ۵۰ فیصد نوجوانوں کو شامل کر کے قیادت نئی نسل کو منتقل کرنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے

بالین حکومت غیر آئینی اور غیر جمہوری ہے: اولی

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال کمیونسٹ پارٹی ایمالی کے چیئرمین اور سابق وزیر اعظم کے پی شرما اولی نے ت "بالین" حکومت پر سخت تنقید کرتے ہوئے اسے "غیر آئینی" قرار دیا ہے۔
جمعہ کو پارٹی کے ایک پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے اولی نے کہا کہ موجودہ بالین حکومت قتل، تشدد، توڑ پھوڑ اور آتش زنی کے ذریعے قائم کی گئی ہے۔ یہ آئین اور قانون کی حکومت نہیں ہے۔ یہ گلی اور سڑک کی طاقت سے بنی حکومت ہے۔ اولی کے ۴ اہم الزامات۔ غیر آئینی طریقہ: ٭ موجودہ حکومت آئینی عمل کے بجائے مظاہروں اور تشدد کے نتیجے میں بنی ہے، قانون کی حکمرانی کا خاتمہ، ملک میں ابھی قانون کی بجائے "ہجوم کی حکمرانی" چل رہی ہے۔ اس طرح بنی حکومت سے بین الاقوامی سطح پر نیپال کی ساکھ خراب ہوئی ہے۔ فوری طور پر منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کرائے جائیں تاکہ عوام اپنی منتخب حکومت بنا سکیں۔ اولی نے کہا۔ جو حکومت خون سے بنے، وہ عوام کی خدمت نہیں کر سکتی۔ ہمیں پرامن، جمہوری اور آئینی راستے سے آگے بڑھنا ہوگا۔ سرکاری ترجمان نے کہا "یہ حکومت عوامی تحریک کا نتیجہ ہے۔ ہمارا واحد ایجنڈا ۶ ماہ میں انتخابات کرانا ہے۔ نیپالی کانگریس پارٹی رہنما نے کہا "اولی ماضی کی ناکامیوں کو چھپانے کے لیے ایسے بیان دے رہے ہیں۔ عوام نے خود اس تبدیلی کا مطالبہ کیا تھا۔ ترجمان نے کہا "تشدد قابل مذمت ہے لیکن عبوری حکومت آئینی خلا کو پر کرنے کے لیے ناگزیر تھیانسانی حقوق کے کارکنوں نے دونوں فریقوں سے تحمل اور پرامن مکالمے کی اپیل کی ہے۔

ریاست کو تعلیم، صحت اور روزگار کی فراہمی کے لیے مکمل جوابدہ ہونا چاہیے: شنکر پوکھرل

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال کے معروف بائیں بازو کے رہنما اور سابق وزیر اعلیٰ شنکر پوکھرل نے کاٹھمانڈو میں پارٹی کے پارلیمانی امور کے شعبے کی ایک اہم نشست کے دوران ریاست کی فلاحی ذمہ داریوں پر مفصل گفتگو کی ہے۔ ان کا یہ بیان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب ترقی پذیر ممالک میں نجی شعبے کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے عام شہریوں

کے لیے بنیادی سہولیات کا حصول مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ شنکر پوکھرل نے معاشرے کے ایک سنگین معاشی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: "جب صحت اور تعلیم کے نام پر موروثی یا خاندانی جائیدادیں ختم ہونے لگتی ہیں، تو ریاست کے خلاف عوامی مایوسی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ جب شہریوں کو بنیادی حقوق کے لیے اپنی زمینیں یا اثاثے بیچنے پڑیں، تو وہ ریاست کو اپنا خیر خواہ نہیں سمجھتے پوکھرل نے واضح کیا کہ عوام کی نظر میں حکومت اور سیاسی جماعتیں الگ نہیں ہوتیں ۔ جب ریاست اپنے شہریوں کو تعلیم، صحت اور روزگار دینے میں ناکام ہوتی ہے، تو عوام کا غصہ روایتی سیاسی جماعتوں پر نکلتا ہے، جس سے ملک میں سیاسی عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی پارٹی کے اراکینِ پارلیمنٹ کو ہدایت کی کہ وہ سستی شہرت یا جذباتی نعروں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے ٹھوس اصولوں اور پالیسیوں کی بنیاد پر عوام کا اعتماد بحال کریں۔ ان کے مطابق، پائیدار ترقی صرف ایک مضبوط فلاحی ڈھانچے سے ہی ممکن ہے

حکومت کا نجی تعلیم اور صحت پر ۳ فیصد برابری ٹیکس نہ لگانے کا فیصلہ درست ہے: گگن تھاپا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپالی کانگریس کے صدر گگن کمار تھاپا نے حکومت کی جانب سے نجی تعلیم اور صحت کے شعبوں پر عائد تین فیصد برابری ٹیکس کو نافذ نہ کرنے کے فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے ایک درست اور مناسب قدم قرار دیا ہے۔ گگن تھاپا نے سوشل میڈیا پر بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ نیپالی کانگریس اس ٹیکس کے آغاز سے ہی اس کے خلاف آواز اٹھا رہی تھی کیونکہ تعلیم اور صحت بنیادی ضرورتیں ہیں، کوئی پرتعیش چیزیں نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ نجی اسکولوں اور ہسپتالوں کا رخ کرنے والا ہر شہری امیر نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے لوگ مجبوری کے تحت ان خدمات کا انتخاب کرتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ نجی شعبہ ملک کے تعلیمی اور صحت کے نظام کا ایک اہم حصہ ہے، اور ایسے ٹیکسوں سے مسائل حل ہونے کے بجائے عوام پر بوجھ بڑھتا ہے۔ عوامی دباؤ اور شدید تنقید کے بعد نیپال کے وزیر اعظم بالیندرا شاہ (بالین) نے فنانس منسٹر ڈاکٹر سورنم واگلے سے مشاورت کے بعد اس ۳ فیصد برابری ٹیکس کو فی الحال لاگو نہ کرنے کا اعلان کیا۔ عوامی بوجھ میں کمی: حکومت کا ماننا ہے کہ اس ٹیکس کے نفاذ سے عام شہریوں، طلبہ اور مریضوں پر اضافی مالی بوجھ پڑتا جس سے مایوسی پھیلتی۔ متبادل اقدامات: ٹیکس معطلی کے ساتھ ہی حکومت نے نجی ہسپتالوں اور کالجوں میں غریب اور پسماندہ شہریوں کے لیے ۱۰ فیصد مفت کوٹہ اور اسکالرشپ کی پالیسی کو سختی سے نافذ کرنے کا عزم دہرایا ہے۔

بالین شاہ نیپالی ہٹلر بن چکے ہیں، ملک میں قانون نہیں آمریت چل رہی ہے: مہنت ٹھاکر

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

لومبینی صوبے میں صوبائی اور مقامی گورننس کو مضبوط بنانے کے پروگرام کے تحت ۸ مقامی سطحوں (لوکل لیولز) پر انوویشن پارٹنرشپ پروجیکٹس (جدت طرازی کے شراکتی منصوبوں) کی منظوری دی گئی ہے۔ لومبینی صوبے کے وزیرِ اعلیٰ چیتن نارائن آچاریہ کی صدارت میں ہونے والے صوبائی اسٹیئرنگ کمیٹی کے اجلاس میں ان منصوبوں کو حتمی شکل دی گئی۔ اس فیصلے کا مقصد مقامی سطح پر جدت، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور عوامی خدمات کی فراہمی میں بہتری لا کر وفاقی نظامِ حکومت کو مزید مضبوط بنانا ہے۔ صوبائی حکومت نے منظور شدہ ۸ منصوبوں کے لیے مجموعی طور پر ۲ کروڑ نیپالی روپے مختص کیے ہیں۔ ہر منتخب مقامی سطح کے پروجیکٹ کے لیے ۲۵ لاکھ نیپالی روپے کی گرانٹ (امداد) فراہم کی جائے گی۔ یہ تمام پروجیکٹس مالیاتی سال ۲۰۸۳/ ۸۴ (آنے والے سال) کے دوران باقاعدہ طور پر چلائے جائیں گے۔ مقامی حکومتوں کی طرف سے موصول ہونے والی متعدد تجاویز میں سے بہترین کارکردگی اور جانچ کی بنیاد پر درج ذیل نمایاں منصوبے منتخب کیے گئے ہیں۔ رولپا۔ جونیلی میں کسانوں کا تجارتی زرعی پروجیکٹ۔ کلمی انفارمیشن ٹیکنالوجی اور کاروباری اسکولوں کی ترقی کا پروگرام۔ ہر وارڈ کی پہچان: ایک صنعت" کا منصوبہ۔ یہ اقدام لومبینی صوبے میں مقامی روزگار پیدا کرنے، نئے کاروباری افراد کی حوصلہ افزائی کرنے اور ٹیکنالوجی کی مدد سے عام شہریوں کی زندگیوں کو آسان بنانے کے لیے ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوگا۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

دینی و عصری تعلیم کا عظیم سنگم دارالعلوم گلشن

مظفر پور، سر سید کالونی سیکٹر ۳ گلی نمبر ۴، مالی گھاٹ میں چند سالوں قبل قائم ہونے والا دارالعلوم گلشن مدینہ نے اپنی خدمات سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے، یہ ادارہ دینی اور عصری تعلیم کا عظیم سنگم ہے، ادارہ کے بانی اور ڈائریکٹر حضرت مولانا حافظ و قاری محمد مشیر رضا بتاتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا اسی زمانے میں کسی نے تنزا یہ بات کہی تھی کہ اہل سنت میں نعت پڑھنے والے شعراء اور تقریر کرنے والے خطباء کی بھرمار ہے مگر اس جماعت میں اچھا قرآن پڑھنے والوں کی کمی ہے، اس کی باتوں سے میں اتفاق نہیں رکھتا پھر بھی میں نے اسی دن تہیہ کر لیا کہ شعبہء حفظ و قرآت میں ان شاء اللہ میں ایسا کام کروں گا کہ مخالفین کی زبان ہمیشہ کے لےء بند ہو جائے گی، اور الحمدللہ اسی مقصد کے تحت میں نے اس ادارہ کا آغاز کیا، میں نے یہ دیکھا کہ کسی ادارہ کو قائم کرنے کے لیے زمین پھر عمارت کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ سب کرتے کرتے شخصیت کی عمر نکل جاتی ہے تب جا کر کے وہ ادارہ پروان چڑھ پاتا ہے، مگر میں نے سوچا کہ جب کرائے کے مکان میں اچھا انسٹیٹیوٹ چل سکتا ہے اچھا اسکول چل سکتا ہے اچھا بینک چل سکتا ہے اچھی کمپنی چل سکتی تو اچھا مدرسہ کیوں نہیں چل سکتا، چنانچہ اسی فکر کو مد نظر رکھ کر شہر مظفر پور کے قلب میں کرایہ کے مکان کو حاصل کر کے مدرسہ کا آغاز کیا میں نے یہ محسوس کیا کہ اب تعلیم کو دینی اور عصری خانوں میں بانٹ کر ایک دوسرے طالب علم کو ایک دوسری تعلیم سے ہم دور نہیں کر سکتے چنانچہ پہلے کے زمانے میں جو بچے مدرسے میں پڑھتے تھے وہ دنیاوی تعلیم کما حقہ نہیں سیکھ پاتے تھے اور جو اسکول میں پڑھتے تھے وہ دین کی بنیادی باتوں سے بھی ناواقف رہتے تھے، اب جبکہ زندگی کا ہر کام آن لائن ہو رہا ہے یہی سوچ کر میں نے مدرسہ اور اسکول ایک ساتھ شروع کیا الحمدللہ ہمارے اساتذہ کی محنت اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ عالم، حافظ، قاری اور ملک کی سرحد کی حفاظت کرنے والے جوان کے بچے بھی میرے یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ مزید بتاتے ہیں کہ چند روز قبل سیتامڑھی مرغیا چک، کا ایک طالب علم غلام مصطفی ابن عبداللہ انصاری جس نے سال گزشتہ میرے یہاں بغدادی قاعدہ سے تعلیم شروع کیا اور اس وقت وہ چوتھا پارہ حفظ کر رہا ہے اس کی عمر فقط نو سال ہے اس کے گھر پہ قرآن خوانی اور میلاد شریف کی محفل ہوئی اس میں مرغیا چک مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ وہاں تشریف لائے ہوئے تھے اس بچے نے فاتحہ پڑھنے کی اجازت طلب کی چنانچہ اس کو موقع دیا گیا بچے نے جب تلفظ کی ادائیگی کے ساتھ قل شریف پڑھا تو سبھی لوگ خوشی سے جھوم اٹھے اور بچے کی روشن مستقبل کی دعائیں دینے لگے، جبکہ مولانا جمیل اختر مصباحی سیتامڑھی اور خطیب نوجوان مولانا اجمل طوفانی مظفر پوری بھی میرے مدرسہ میں تشریف لائے اور انہوں نے چند بچوں سے قرآن کی چند سورتوں اور دعاؤں کو سنا تو کافی خوشی کا اظہار فرمایا واضح ہو کہ یہ مدرسہ جدید ترین سہولیات سے لیس ہے ۲۴ گھنٹہ بجلی کی سہولت ہے لائٹ کٹنے پر انورٹر بیٹری کا بھی انتظام ہے پینے کے لیے آرو کا صاف و شفاف پانی ہمہ وقت دستیاب ہے ضدی بدمعاش اور زہریلے قسم کے مچھروں کے حملہ سے بچانے کے لیے مچھر دانی کا بھی انتظام ہے، ٹھنڈے مشروبات کے لیے فریج اور سردی میں نہانے کے لیے گیجر کا بھی انتظام ہے، ناگہانی صورت کے لیے ابتدائی طبی کٹ بھی دستیاب ہے، موسمی پھل بھی بچوں کو دیا جاتا ہے تاکہ بچوں کو کسی کمی کا احساس نہ ہو، خاص بات یہ ہے کہ بچوں کو جو سبق پڑھایا جاتا ہے یا جو کچھ بھی لکھایا جاتا ہے اس کو ڈائری پہ نوٹ کیا جاتا ہے تاکہ بوقت ضرورت سرپرست حضرات دیکھ سکیں، اور استاذ یا بچہ کی جانب سے بھی کوئی کوتاہی نہ ہو، یہاں حفظ و قرآت کی تعلیم کے علاوہ ابتدائی تعلیم ناظرہ وغیرہ کا بھی نظم ہے، بچوں کو خوش خط لکھنا سکھایا جاتا ہے، بچے اور اساتذہ سب کے لیے نماز باجماعت کی پابندی لازمی ہے یہاں دنیاوی تعلیم بھی دینی رنگ میں دی جاتی ہے یعنی انگریزی پڑھاىء جاتی ہے مگر انگریز نہیں بنایا جاتا، ادارہ ہذا کو جن اساتذہ کی خدمات حاصل ہے ان میں بانی ادارہ کے علاوہ حضرت حافظ و قاری شاہد رضا صاحب، حضرت حافظ و قاری ابرار رضا صاحب، حضرت حافظ وقاری ارمان صاحب، ماسٹر شاہنواز صاحب، ماسٹر حیدر صاحب محترمہ آمنہ صاحبہ، پڑھائی کا وقت کچھ اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ بعد فجر سے لے کر ۱۲ بجے تک دینی تعلیم دی جاتی ہے بیچ میں ناشتے کا وقفہ ہے اور بعد ظہر اسکول کی تعلیم دی جاتی ہے ملحوظ رہے کہ اس ادارہ کی سرپرستی گل گلزار تیغیت و یوسفیت پیر طریقت حضرت مولانا شاہ قسیم الحق یوسفی سجادہ نشین خانقاہ تیغیہ یوسفیہ چاند پور فتح شریف فرماتے ہیں، علاوہ ازیں اس ادارے میں علمائے کرام کا آنا جانا لگا رہتا ہے جن علماء کرام نے قاری مشیر رضا کی حوصلہ افزائی کی ہے اور ان کی خدمات کو سراہا ہے اور ان کو مفید مشوروں سے نوازا ہے ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں، حافظ کلام الہی حضرت حافظ الحاج محمد حسام الدین اشرفی صاحب خلیفہ حضور شیخ اعظم و خطیب شہر ناسک، حضرت مفتی رحمت اللہ مصباحی صاحب لوکہا، حضرت مولانا محمد اشفاق مصباحی صاحب سیتامڑھی، مفتی ظہیر نعمانی صاحب قاضیء شیوہر، مولانا اسماعیل قادری صاحب نائب قاضیء شیوہر، قاری خلیل الرحمن صاحب کانپور، مولانا صداقت حسین مصباحی صاحب بکھری ریگا، مولانا رضوان القادری صاحب شیوہر، مولانا مبارک مصباحی صاحب ادیء چھپرا، مولانا اعجاز احمد شمسی صاحب شیوہر، قاری عمران صاحب مولانا عبدالجلیل صاحب ہرکروا، قاری شمشاد اطہر صاحب، توصیف رضا صاحب وغیرہ، لہذا آپ حضرات اپنے بچوں کے روشن مستقبل کے لیے اس ادارہ میں داخلہ کرائیں داخلہ کے لیے عمر کم از کم ۸ سال سے لیکر ۱۶ سال کے درمیان ہو رابطہ نمبر ۷۳۶۹۰۵۵۸۹۵، رپورٹ ابو افسر مصباحی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کوشی حکومت سے کانگریس کے وزراء کی فوری واپسی مؤخر۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

وراٹ نگر: نیپالی کانگریس نے کوشی صوبائی حکومت سے اپنے وزراء کو فوری طور پر واپس بلانے کا فیصلہ مرکزی قیادت کی ہدایت پر فی الحال مؤخر کر دیا ہے۔ جمعرات کو صوبائی صدر اور پارلیمانی پارٹی کے رہنما ادھو تھاپا کی صدارت میں منعقدہ صوبائی رابطہ کمیٹی کے اجلاس میں حکومت سے وزراء کی واپسی پر فیصلہ کیے جانے کی تیاری تھی، تاہم اجلاس کے دوران مرکزی قیادت کی جانب سے مزید مشاورت کی ہدایت موصول ہونے پر اس معاملے کو فی الحال ملتوی کر دیا گیا۔ اجلاس نے صوبائی صدر ادھو تھاپا اور مرکزی رکن و صوبائی رکن اسمبلی امرت آریال کو مرکزی قیادت سے مزید مشاورت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ مرکز کی جانب سے باضابطہ فیصلہ آنے کے بعد دوبارہ اجلاس بلا کر آئندہ کی حکمت عملی طے کی جائے گی۔ اجلاس کے بعد ذرائع ابلاغ سے گفتگو کرتے ہوئے ادھو تھاپا نے کہا کہ سی پی این (ایم ایل) کے ساتھ سیاسی تعاون عملاً ختم ہو چکا ہے، تاہم آئندہ کے لیے تین ممکنہ راستوں پر غور کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پہلا راستہ ایم ایل کے ساتھ تعاون برقرار رکھنے کی کوشش کرنا، دوسرا نیپال کمیونسٹ پارٹی (این سی پی) کے ساتھ نئی شراکت داری قائم کرنا، اور تیسرا اپوزیشن میں بیٹھنے کا ہے۔ ان کے مطابق حتمی فیصلہ مرکزی قیادت سے مشاورت کے بعد ہی کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ اس وقت حکمت کمار کارکی کی قیادت والی کوشی صوبائی حکومت میں نیپالی کانگریس کے پانچ نمائندے شامل ہیں، جن میں وزیر بنیادی ڈھانچہ و ترقی پردیپ کمار سونووار، وزیر صحت مان بہادر لمبو، وزیر سیاحت، جنگلات و ماحولیات بھیم پراجولی، وزیر صنعت، زراعت و کوآپریٹو اسرائیل منصوری اور وزیر مملکت برائے بنیادی ڈھانچہ شوبھا چیمجونگ شامل ہیں۔ سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ مرکزی قیادت کے آئندہ فیصلے پر ہی کوشی صوبے میں حکومت کی سمت اور اتحادی سیاست کا مستقبل واضح ہو گا

عدالتی ہری جھنڈی کے بعد ایکشن تیز، بیرگنج میں دکانوں اور مکانات پر چلا بلڈوزر

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
بیرگنج

نیپال کے اہم تجارتی شہر بیرگنج کی مرکزی سڑک کو وسیع کرنے کی مہم کو دوبارہ تیز کر دیا گیا ہے۔ طویل قانونی اور مقامی تنازعات کے بعد، ہیٹوڈہ روڈ ڈویژن آفس اور بیرگنج میٹروپولیٹن سٹی نے بھاری مشینری اور بلڈوزر کا استعمال کرتے ہوئے سڑک کی حدود میں آنے والے مکانات اور تجارتی ڈھانچوں کو مسمار کرنے کا کام دوبارہ شروع کیا ہے۔ تریبھون شاہراہ کے گنڈک چوک سے میتیری پل تک کے مرکزی حصے کو قومی شاہراہ کے معیار کے مطابق وسیع کرنے کے لیے مسماری کی مہم کو دوبارہ تیز کر دیا گیا ہے۔ یہ منصوبہ پچھلے ۱۳ سالوں سے قانونی اور مقامی تنازعات کی وجہ سے معطل تھا، لیکن سپریم کورٹ کے حتمی فیصلے کے بعد اب انتظامیہ نے کارروائی تیز کر دی ہے۔ سڑک کے سنٹرل لائن سے دونوں طرف ۲۵-۲۵ میٹر (کل ۵۰ میٹر چوڑائی) کا رقبہ مکمل صاف کرنا ہے۔ سڑک کی یہ صفائی اور توسیع سرسیہ میتیری پل (نیپال-بھارت سرحد) سے لے کر باہودری گنڈک چوک تک کے پورے تجارتی کوریڈور پر کی جا رہی ہے۔ ہٹودہ روڈ ڈویژن آفس کی جانب سے اب خصوصی طور پر گھنٹہ گھر سے الاکھیا مٹھ کے درمیانی حصے میں موجود مابقی اراضی اور ڈھانچوں کو ہٹانے پر توجہ دی جا رہی ہے۔ سڑک کو کشادہ کرنے کا یہ قدم شہر کے مستقبل اور ٹریفک کے بہاؤ کے لیے بہترین مانا جا رہا ہے، لیکن فوری طور پر اس کے مقامی معیشت پر سنگین اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس مہم کی زد میں ۱۱۰۰ سے زائد نجی مکانات اور تقریباً ۲۹ سرکاری عمارتیں آئی ہیں۔ نیو بزنس ایج' کی رپورٹ کے مطابق، مرکزی سڑک پر ہونے والی اس مسماری سے تقریباً ۳۰۰۰ تجارتی دکانیں اور کاروبار شدید متاثر ہوئے ہیں۔ مارکیٹ اجڑنے اور دکانیں گرائے جانے کی وجہ سے اس علاقے میں کام کرنے والے تقریباً ۹۰۰۰ افراد کا روزگار خطرے میں پڑ گیا ہے

وزیر اعظم کی طویل مشاورتی نشستوں میں وزراء کی عدم شرکت پر سوالات، ماہرین نے طرز حکمرانی پر تشویش ظاہر کی۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو: وزیر اعظم بالین شاہ کی جانب سے گزشتہ چند ہفتوں سے مختلف شعبوں کے نمائندوں، صنعت کاروں، تعلیمی اداروں، سرمایہ کاروں، توانائی پیدا کرنے والوں اور دیگر متعلقہ فریقوں کے ساتھ مسلسل مشاورتی نشستیں کی جا رہی ہیں، تاہم ان ملاقاتوں میں متعلقہ وفاقی وزراء کی عدم موجودگی نے سیاسی و انتظامی حلقوں میں نئی بحث چھیڑ دی ہے۔ اطلاعات کے مطابق وزیر اعظم کے ساتھ ہونے والی ان نشستوں میں ان کے مشیران، چیف پرائیویٹ سیکریٹری اور سیکریٹریٹ کے دیگر اراکین باقاعدگی سے شریک ہوتے ہیں، لیکن کئی اہم اجلاسوں میں متعلقہ وزارتوں کے وزراء کو مدعو نہیں کیا گیا۔ مبصرین کے مطابق اس رجحان سے وزیر اعظم اور بعض وزراء کے درمیان فاصلہ بڑھنے اور حکومتی نظام میں مشیروں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کا تاثر پیدا ہو رہا ہے۔ سابق چیئرمین لوک سیوا آیوگ اُمیش مینالی نے کہا کہ آئین اور قانون کے مطابق جوابدہ عہدیداروں، خصوصاً وزراء اور سیکریٹریوں، کو پالیسی سازی اور اہم مشاورتی عمل میں شامل کیا جانا چاہیے۔ ان کے مطابق ایسے افراد کو زیادہ اہمیت دینا جنہیں قانون باقاعدہ انتظامی ذمہ داری بھی رائے دی کہ اگر متعلقہ وزراء کو مشاورتی اجلاسوں میں شریک رکھا جائے تو فیصلوں پر عمل درآمد زیادہ مؤثر ہو گا اور حکومتی سطح پر بہتر ہم آہنگی قائم رہے گی۔ دوسری جانب سابق چیف سیکریٹری وِمل کوئرالا کا کہنا ہے کہ چونکہ حکومت کی قیادت وزیر اعظم کرتے ہیں، اس لیے اگر وہ خود مختلف شعبوں کے مسائل سن کر ان کے حل کی کوشش کریں تو اسے مثبت اقدام سمجھا جانا چاہیے، البتہ انتظامی تسلسل برقرار رکھنے کے لیے وزارتوں کی مؤثر شمولیت بھی ضروری ہے۔ وزیر اعظم کے سیکریٹریٹ کی جانب سے وضاحت کی گئی ہے کہ اجلاس کی نوعیت کے مطابق متعلقہ وزیر یا وزارت کے نمائندے کو مدعو کیا جاتا ہے، جبکہ بعض مواقع پر وزراء اپنی مصروفیات کے باعث شریک نہیں ہو پاتے۔ سیکریٹریٹ کے مطابق وزیر اعظم مختلف شعبوں کے مسائل کو براہِ راست سن کر فوری حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ضرورت پڑنے پر متعلقہ وزارتوں کو ہدایات بھی جاری کی جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ حکومت کے سو دن مکمل ہونے کے بعد وزیر اعظم والیندر شاہ نے نجی شعبے، تعلیمی اداروں، سیاحت، توانائی، تعمیرات، سرمایہ بازار، ٹیکسٹائل، خواتین صنعت کاروں اور دیگر شعبوں کے نمائندوں سے مسلسل [illegible]

کوشی صوبے میں اقتدار کا بحران: یو ایم ایل اور این سی پی رہنماؤں کی کاٹھمانڈو میں اہم ملاقاتیں، نئی صف بندی کا امکان

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کوشی

نیپال کے کوشی صوبے میں نیپالی کانگریس اور کمیونسٹ پارٹی آف نیپال-یو ایم ایل کے درمیان صوبائی حکومت کی قیادت اور بجٹ تنازعات پر شدید سیاسی بحران پیدا ہو چکا ہے، جس کے بعد دونوں جماعتوں کے صوبائی رہنما حتمی فیصلے کے لیے دارالحکومت کاٹھمانڈو کا رخ کر رہے ہیں۔ کوشی صوبے میں جاری اس بحران کو حل کرنے کے لیے مقامی سطح پر بات چیت ناکام ہو چکی ہے۔ نیپالی کانگریس اور یو ایم ایل کے صوبائی قائدین نے اس معاملے کو اپنی مرکزی قیادت کے سپرد کر دیا ہے۔ نیپالی کانگریس کے رہنما گگن تھاپا اور سی پی این-ماؤسٹ سینٹر کے کوآرڈینیٹر پشپ کمل دہال (پرچنڈ) کے درمیان کاٹھمانڈو میں نئے صوبائی اتحاد کی تشکیل کے لیے مسلسل ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ نیپالی کانگریس پچھلے اتحاد کے معاہدوں کے تحت کوشی صوبے کی قیادت کا مطالبہ کر رہی ہے، جبکہ موجودہ وزیر اعلیٰ حکمت کارکی (یو ایم ایل) اپنی مدت پوری کرنا چاہتے ہیں۔ کوشی صوبے کے مالی سال ۲۰۲۶/۲۷ کے لیے پیش کردہ ۴۰.۴۵ ارب روپے کے بجٹ پر دونوں حکمران جماعتوں اور اراکینِ اسمبلی سخت ناراض ہیں۔ وزیر اعلیٰ پر اپنے حلقے میں زیادہ فنڈز دینے اور پہاڑی اضلاع کو نظر انداز کرنے کے الزامات ہیں۔ نیپالی کانگریس نے ملک کے تمام ۷ صوبوں میں یو ایم ایل کے ساتھ اپنا حکمرانی کا اتحاد ختم کرنے اور نئی سیاسی صف بندی (بشمول این سی پی کے ساتھ الحاق) تلاش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کوشی صوبہ اپنی بار بار بدلتی حکومتوں کی وجہ سے شدید عدم استحکام کا شکار رہا ہے، جہاں گزشتہ ۴ سالوں میں ۶ مرتبہ حکومتیں تبدیل ہو چکی ہیں۔

حکومت اور 'میٹر بیاج' متاثرین میں ۹ نکاتی معاہدہ، طویل احتجاج ملتوی

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
مدھیش پردیش

نیپال میں میٹر بیج سود خوروں کے ستائے ہوئے) متاثرین اور حکومت کے درمیان کامیاب مذاکرات کے بعد باقاعدہ ۹ نکاتی معاہدہ طے پا گیا ہے، جس کے بعد مظاہرین نے اپنا طویل احتجاجی مارچ اور دھرنا فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔ جنکپور سے کاٹھمنڈو تک پیدل مارچ کرنے والے کسانوں اور مزدوروں کے اس احتجاج کو حکومت کے ساتھ تحریری معاہدے کے بعد ختم کر کے مظاہرین واپس اپنے گھروں کو لوٹنا شروع ہو گئے ہیں۔ وزارتِ داخلہ اور وزیر اعظم آفس کے اعلیٰ حکام پر مشتمل کمیٹی اور متاثرین کی قیادت (عوضیش کشواہا) کے درمیان درج ذیل بنیادی امور پر اتفاق ہوا ہے: نیپالی حکومت کی کابینہ نے اس معاہدے کی منظوری دیتے ہوئے 'میٹر بیج' (سود خوری اور غیر قانونی قرضے کے نظام) کو ایک سنگین معاشی جرم قرار دے دیا ہے۔ جعلی دستاویزات کی منسوخی: اس غیر قانونی کاروبار کے تحت تیار کی جانے والی تمام فرضی دستاویزات، زبردستی لکھوائے گئے چیک، اور متاثرین سے دھوکے سے ہتھیائی گئی زمینوں کے کاغذات فوری طور پر کالعدم اور غیر قانونی تصور ہوں گے۔ حکومت تین ماہ کے اندر ایک خصوصی قانون تیار کرے گی جس کے تحت متاثرین کو انصاف کی فراہمی، ان کی جائیدادوں کی واپسی، اور مقدمات کی سماعت کے لیے خصوصی ٹریبونل یا عدالتیں قائم کی جائیں گی۔ ہر ضلع میں اسسٹنٹ چیف ڈسٹرکٹ آفیسر کی سربراہی میں سہولتی کمیٹیاں بنائی جائیں گی جو چھ ماہ کے اندر شکایات کا ازالہ کرنے کی پابند ہوں گی۔ سود خوروں کی جانب سے غیر قانونی طور پر بنائے گئے اثاثوں اور بلیک میلنگ کے خلاف منی لانڈرنگ کے قوانین کے تحت کارروائی کی جائے گی۔

سنگھا دربار: ملازمتوں کے تحفظ کے لیے عارضی اور کنٹریکٹ ملازمین کا شدید احتجاج

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

مرکزی انتظامی مرکز سنگھا دربار میں ۱۸ مختلف وزارتوں کے عارضی، کنٹریکٹ اور روزانہ اجرت پر کام کرنے والے ہزاروں ملازمین نے جولائی ۲۰۲۶ کے وسط میں اپنی ملازمتوں کے تحفظ کے لیے شدید احتجاجی مظاہرے کیے ہیں۔ یہ ملازمین حکومت کے اس مجوزہ منصوبے کے خلاف سڑکوں پر اترے ہیں جس کے تحت کنٹریکٹ سسٹم کو ختم کر کے آؤٹ سورسنگ (نجی ایجنسیوں کے ذریعے خدمات حاصل کرنے) کا نظام نافذ کیا جا رہا تھا۔ حکومت کی جانب سے وفاقی، صوبائی اور بلدیاتی سطح پر تقریباً ۶۰۰۰۰ عارضی اور کنٹریکٹ ملازمین کو فارغ کرنے کی تجاویز سامنے آئیں، جس سے ملازمین میں شدید تشویش پھیل گئی۔ حکومت سپورٹ اسٹاف کی براہِ راست خدمات کے بجائے پبلک کمپنیوں یا نجی اداروں سے آؤٹ سورسنگ کے ذریعے عملہ رکھنا چاہتی ہے، جسے ملازمین مسترد کر رہے ہیں۔ مظاہرین کا مؤقف ہے کہ وہ گزشتہ ۱۰ سے ۲۵ سالوں سے مستقل خدمات انجام دے رہے ہیں اور انہیں بغیر کسی متبادل یا معاوضے کے برطرف کرنا ناانصافی ہے۔ ملازمین نے مطالبہ کیا ہے کہ سپریم کورٹ کے ماضی کے فیصلوں کے مطابق انہیں مہنگائی الاؤنس، طبی سہولیات، گریجویٹی اور سوشل سیکیورٹی فنڈ کا حصہ بنایا جائے

تناہون بس حادثہ: تیز رفتار مسافر بس پل سے ٹکرا گئی، ڈرائیور سمیت ۱۷ افراد زخمی

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

تناہونیہ حادثہ منگل (۲۱ جولائی ۲۰۲۶) کو دوپہر تقریباً ۳:۱۵ بجے پیش آیا۔ مسافر بس (جس کا رجسٹریشن نمبر Ga 1Kha ۴۶۶۵ تھا) کلیستی سے دمولی کی طرف جا رہی تھی۔ جب بس بیاس میونسپلٹی-۷ میں کلیستی پل کے قریب پہنچی تو ڈرائیور سڑک پر گاڑی سے کنٹرول کھو بیٹھا، جس کے نتیجے میں بس سیدھی پل سے جا ٹکرائی۔ اسپتال کی تازہ ترین رپورٹس کے مطابق حادثے میں ۱۷ افراد زخمی ہوئے ہیں (ابتدا میں یہ تعداد ۱۰ سے ۱۵ بتائی گئی تھی)۔ بس کے ڈرائیور، شامشیر نیپالی، حادثے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ میں بری طرح پھنس گئے تھے۔ پولیس کی ریسکیو ٹیم نے انہیں سخت جدوجہد کے بعد نکالا۔ انہیں رتن ہاری اسپتال منتقل کیا گیا جہاں ان کی حالت اب بھی تشویشناک بتائی جاتی ہے۔ حادثے کے وقت بس میں کل ۲۵ مسافر سوار تھے۔ ڈسٹرکٹ پولیس آفس تناہون کے ڈی ایس پی دوواریکا پرساد گھمائیرے کی قیادت میں پولیس ٹیم نے فوری کارروائی کرتے ہوئے تمام زخمیوں کو نکال کر دمولی کے صوبائی اسپتال اور رتن ہاری اسپتال منتقل کیا۔ پولیس نے حادثے کی اصل وجہ (تیز رفتاری یا تکنیکی خرابی) کا تعین کرنے کے لیے باقاعدہ تحقیقات کا آغاز کر دیا ہے

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
23/جولائی 2026 مطابق 07/صفر المظفر 1448ھ / 07 گتے ساون 2083

ادارتی صفحہ

کپل وستو سے ملنے والے عربی سکے کیا ثابت کرتے ہیں؟

ازقلم ڈاکٹر سلیم انصاری جھاپا نیپال

نیپال کے ضلع کپلوستو میں حال ہی میں ایک غیر معمولی تاریخی دریافت سامنے آئی ہے۔ ایک مقامی کسان کے کھیت سے تانبے کے ایک برتن میں محفوظ ۳۱۴، ۲ قدیم تانبے کے سکے برآمد ہوئے ہیں۔ ابتدائی معائنے سے معلوم ہوا ہے کہ ان سکوں پر عربی رسم الخط کندہ ہے اور بعض سکوں پر "محمد شاہ" کا نام بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ دریافت نہ صرف نیپال کے آثارِ قدیمہ کے لیے اہم ہے بلکہ جنوبی ایشیا کی قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کے کئی نئے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈال سکتی ہے۔

اگرچہ ماہرین ابھی ان سکوں کی مکمل سائنسی جانچ کررہے ہیں، تاہم ابتدائی اندازوں کے مطابق ان کا تعلق چودھویں صدی سے ہو سکتا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ سکے ممکنہ طور پر بہمنی سلطنت کے دوسرے سلطان، محمد شاہ اول کے دور کے ہو سکتے ہیں۔ محمد شاہ اول (وفات: ۲۱ اپریل ۱۳۷۵ء) ہندوستان کی بہمنی سلطنت کے دوسرے سلطان تھے۔ انہوں نے اپنے والد علاء الدین بہمن شاہ کے بعد حکومت سنبھالی اور ایک نو قائم اسلامی ریاست کو مضبوط سیاسی اور انتظامی بنیادیں فراہم کیں۔ ان کے دور میں امن و امان قائم ہوا، مرکزی حکومت مستحکم ہوئی اور بہمنی سلطنت دکن کی ایک طاقتور ریاست بن کر ابھری۔ وہ فنِ تعمیر، ثقافت اور علم کے بھی سرپرست تھے، اور انہی کے عہد میں گلبرگہ کی تاریخی جامع مسجد تعمیر ہوئی۔

کپلوستو میں ملنے والے سکوں کو دیکھ کر بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا نیپال پر کبھی مسلم حکمرانوں کی حکومت رہی تھی؟ اس سوال کا جواب سادہ "ہاں" یا "نہیں" میں دینا تاریخی اعتبار سے درست نہیں ہو گا۔ موجودہ نیپال کی سرحدیں قدیم اور قرونِ وسطیٰ کے ادوار میں آج جیسی نہیں تھیں۔ مختلف ادوار میں نیپال کی جغرافیائی حدود تبدیل ہوتی رہیں، جبکہ برصغیر کی سلطنتوں کی سرحدیں بھی وقت کے ساتھ پھیلتی اور سکڑتی رہیں۔

تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سلطنت، بنگال سلطنت اور بعد کے بعض مسلم حکمرانوں کا اثر و رسوخ موجودہ نیپال کے جنوبی ترائی کے چند علاقوں تک مختلف ادوار میں پہنچا تھا۔ ان علاقوں پر بعض اوقات براہِ راست انتظامی کنٹرول اور بعض مواقع پر خراج یا سیاسی اثر و رسوخ بھی قائم رہا۔ تاہم آج کے پورے نیپال پر کسی مسلم سلطنت کی مستقل اور مکمل حکومت قائم نہیں رہی۔ اس لیے اس تاریخی حقیقت کو موجودہ قومی سرحدوں کے تناظر میں دیکھنے کے بجائے اُس زمانے کی سیاسی اور جغرافیائی صورتحال کے مطابق سمجھنا ضروری ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں نیپال، شمالی ہندوستان اور تبت کے درمیان تجارتی راستے انتہائی فعال تھے۔ انہی راستوں سے تاجر، صوفی، مسافر اور مختلف اشیائے تجارت ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک پہنچتی تھیں۔ کپڑا، مصالحہ، دھات، نمک، گھوڑے اور دیگر اشیاء کی تجارت کے ساتھ ساتھ مختلف سلطنتوں کے سکے بھی ایک خطے سے دوسرے خطے تک منتقل ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی رسم الخط والے سکے کپلوستو جیسے تاریخی علاقے میں ملنا کوئی غیر معمولی بات نہیں سمجھی جاتی۔

فی الحال صرف سکوں پر "محمد شاہ" کا نام موجود ہونے کی بنیاد پر یہ کہنا قبل از وقت ہو گا کہ ان کا تعلق یقینی طور پر بہمنی سلطان محمد شاہ اول ہی سے ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں "محمد شاہ" نام رکھنے والے ایک سے زیادہ حکمران گزرے ہیں۔ اس لیے ماہرین آثارِ قدیمہ سکوں کی دھات، رسم الخط، طرزِ ضرب، تاریخی تناظر اور دیگر شواہد کا تفصیلی جائزہ لے رہے ہیں تاکہ ان کی اصل تاریخ اور مقام کا درست تعین کیا جاسکے۔

اگر آئندہ تحقیق سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سکے واقعی بہمنی سلطنت یا کسی دوسری مسلم سلطنت کے دور سے تعلق رکھتے ہیں تو یہ دریافت نیپال اور برصغیر کی مسلم ریاستوں کے درمیان موجود تجارتی، معاشی اور ثقافتی تعلقات کے بارے میں نئی معلومات فراہم کرے گی۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گا کہ قرونِ وسطیٰ میں سرحدیں

آج کی طرح مستقل نہیں تھیں بلکہ وقت کے ساتھ بدلتی رہتی تھیں، اور مختلف سلطنتوں کا اثر و رسوخ موجودہ ریاستی حدود سے کہیں زیادہ وسیع یا مختلف ہو سکتا تھا۔

کپلوستو سے ملنے والے یہ نایاب سکے اسی مشترکہ تاریخی ورثے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان کی تحقیق تاریخی شواہد اور سائنسی اصولوں کی بنیاد پر کی جائے، تاکہ ماضی کو جذبات یا قیاس آرائیوں کے بجائے مستند حقائق کی روشنی میں سمجھا جاسکے۔ یہی طرزِ فکر تاریخ کو بہتر انداز میں جاننے اور جنوبی ایشیا کی مشترکہ تہذیبی وراثت کو سمجھنے میں ہماری رہنمائی کرے گا۔

ڈاکٹر سلیم انصاری
جھاپا نیپال

Editorial

پڑوسی ملک ہندوستان میں طلبہ پر تشدد: جمہوریت کے ماتھے پر ایک بدنما داغ!

ایڈیٹر کے قلم سے۔۔۔۔۔

جمہوریت کی اصل روح اختلافِ رائے کو برداشت کرنے، عوام کی آواز سننے اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں مضمر ہوتی ہے۔ لیکن جب حکومتیں اپنے ہی نوجوانوں کے سوالات کا جواب دلیل کے بجائے لاٹھی، آنسو گیس اور طاقت سے دینے لگیں تو یہ نہ صرف جمہوری اقدار بلکہ انسانی حقوق کے لیے بھی ایک تشویشناک علامت بن جاتا ہے۔

پڑوسی ملک ہندوستان کے دارالحکومت نئی دہلی میں نیٹ (NEET) امتحان کے مبینہ پیپر لیک کے خلاف شروع ہونے والا احتجاج بنیادی طور پر طلبہ کے مستقبل، شفاف امتحانی نظام اور انصاف کے مطالبے پر مبنی تھا۔ معروف ماہرِ تعلیم اور سماجی کارکن سونم وانگچک نے بھی اسی مقصد کے تحت بھوک ہڑتال اختیار کی تاکہ حکومت اس سنگین مسئلے کا نوٹس لے۔ مگر افسوس کہ حالات ایسے رخ پر پہنچے جہاں پُرامن احتجاج تصادم میں بدل گیا اور پولیس کی جانب سے طاقت کے استعمال نے پورے خطے کی توجہ اپنی جانب مبذول کرادی۔

ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق اس کارروائی میں متعدد طلبہ شدید زخمی ہوئے، کئی افراد اسپتال منتقل کیے گئے، جبکہ بعض شہری و انسانی حقوق کی تنظیموں اور مظاہرین نے خواتین کے ساتھ ناروا سلوک کے الزامات بھی عائد کیے ہیں۔ اگر ان الزامات کی آزادانہ تحقیقات میں تصدیق ہوتی ہے تو یہ نہ صرف قانون نافذ کرنے والے اداروں بلکہ پورے جمہوری نظام کے لیے باعثِ تشویش ہو گا۔

سوال یہ ہے کہ کیا اپنے مستقبل کے تحفظ اور شفاف امتحانی نظام کا مطالبہ کرنا جرم ہے؟ کیا ملک کے نوجوان اپنے آئینی حقوق کے لیے پُرامن احتجاج بھی نہیں کرسکتے؟ اگر نوجوان نسل کے جائز سوالات کا جواب طاقت سے دیا جائے گا تو اس سے اعتماد پیدا نہیں ہو گا بلکہ ریاست اور عوام کے درمیان فاصلے مزید بڑھیں گے۔

ہندوستان خود کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہتا ہے، اس لیے اس سے توقع بھی یہی کی جاتی ہے کہ وہ اختلافِ رائے کو دبانے کے بجائے برداشت کرے، شکایات کا ازالہ کرے اور انصاف کو یقینی بنائے۔ جمہوریت کی اصل طاقت مخالف آوازوں کو خاموش کرنے میں نہیں بلکہ انہیں سننے اور ان کے مسائل کا منصفانہ حل نکالنے میں ہے۔

نیپال، ہندوستان کا قریبی ہمسایہ ہونے کے ناطے، خطے میں امن، استحکام اور جمہوری روایات کے فروغ کا خواہاں ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہندوستانی حکومت اس پورے معاملے کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائے گی، زخمی طلبہ کو انصاف فراہم کرے گی اور مستقبل میں ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے مؤثر اقدامات کرے گی۔ کیونکہ نوجوان کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، اور قومیں اپنے سرمایہ کو لاٹھیوں سے نہیں بلکہ اعتماد، انصاف اور احترام سے سنبھالتی ہیں۔

آخر میں ہم یہی کہنا چاہیں گے کہ کسی بھی جمہوری معاشرے کی اصل طاقت اس کے ہتھیار، پولیس یا اقتدار میں نہیں بلکہ اس کے انصاف، برداشت اور عوام کے اعتماد میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ نوجوان کسی بھی قوم کا روشن مستقبل اور سب سے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر ان کی آواز کو لاٹھیوں سے دبانے کی کوشش کی جائے گی تو وقتی طور پر احتجاج تو شاید ختم ہو جائے، مگر دلوں میں پیدا ہونے والی بے چینی اور احساسِ محرومی مزید گہرا ہوتا جائے گا۔ ہمسایہ ملک ہندوستان کی حکومت کو چاہیے کہ وہ اس پورے معاملے کی شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائے، ذمہ داروں کا احتساب کرے اور طلبہ کے جائز مطالبات کو سنجیدگی سے سنے، کیونکہ مضبوط جمہوریت کی بنیاد خوف پر نہیں بلکہ انصاف، قانون کی حکمرانی اور عوامی اعتماد پر استوار ہوتی ہے۔

جمہوریت پر لاٹھی کا سایہ رکنِ پارلیمان ڈاکٹر محمد جاوید کے ساتھ پیش آئے واقعے نے قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا

✍ سید آصف امام کاکوی

جمہوریت کی اصل طاقت اقتدار کی سختی میں نہیں بلکہ اختلافِ رائے کو برداشت کرنے اور اس کا احترام کرنے میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ جب عوام کی آواز ایوانِ پارلیمان تک پہنچانے والا ایک منتخب رکنِ پارلیمان احتجاج کے دوران پولیس کارروائی میں زخمی ہو جائے تو یہ محض کسی ایک سیاسی جماعت کا معاملہ نہیں رہ جاتا، بلکہ جمہوری اقدار، آئینی روایات اور ریاستی ذمہ داری پر سنجیدہ سوالات کھڑے کرتا ہے۔ دہلی میں احتجاج کے دوران بہار کے ضلع کشن گنج سے کانگریس کے رکنِ پارلیمان، لوک سبھا میں پارٹی کے وہپ، سابق وزیر اور سینئر عوامی نمائندہ ڈاکٹر محمد جاوید کے زخمی ہونے کی خبر نے پورے بہار کو بے چین کر دیا۔ سامنے آنے والی ویڈیوز اور عینی شاہدین کے بیانات کے بعد عوامی حلقوں میں تشویش اور افسوس کی لہر دوڑ گئی۔ اس واقعے نے ایک بار پھر یہ سوال کھڑا کر دیا کہ جمہوری احتجاج کے دوران طاقت کے استعمال کی حد کیا ہونی چاہیے اور اس کی جواب دہی کس طرح طے کی جائے۔ ڈاکٹر محمد جاوید کوئی عام سیاسی شخصیت نہیں ہیں۔ وہ دو مرتبہ رکنِ پارلیمان، چار مرتبہ رکنِ اسمبلی، سابق وزیر اور کانگریس پارلیمانی پارٹی کے لوک سبھا وہپ ہیں۔ طب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے عوامی خدمت کو اپنا مقصد بنایا اور برسوں سے کشن گنج کے عوام کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنی پارلیمانی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے اپوزیشن کے احتجاج میں شریک ہونے جارہے تھے۔ اگر ایسے تجربہ کار منتخب عوامی نمائندے کے ساتھ اس نوعیت کا واقعہ پیش آئے تو عوام کا سوال اٹھانا اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ کرنا بالکل فطری ہے۔

جمہوریت میں اختلافِ رائے کوئی جرم نہیں بلکہ آئینی حق ہے۔ مگر جب مکالمے کی جگہ تصادم اور تحمل کی جگہ طاقت کا استعمال نظر آنے لگے تو یہ کسی بھی معاشرے کے لیے تشویش کی بات ہوتی ہے۔ جیسے ہی یہ خبر بہار پہنچی، کشن گنج سے لے کر پٹنہ تک ان کے چاہنے والوں، کارکنوں اور خیر خواہوں میں فکر و تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ہر شخص ان کی خیریت دریافت کرنے اور ان کی جلد صحت یابی کے لیے دعا گو نظر آیا۔ یہی عوامی محبت، اعتماد اور احترام ان کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ ڈاکٹر محمد جاوید کا سیاسی سفر ان کے والد مرحوم محمد حسین آزاد کی سیاسی روایت سے ضرور جڑا ہے، لیکن انہوں نے اپنی الگ شناخت مسلسل محنت، دیانت داری، سادگی اور عوام سے مضبوط رابطے کے ذریعے قائم کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ صرف ایک سیاسی رہنما نہیں بلکہ عوامی اعتماد کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

یہ خبر سامنے آنے کے بعد سید آصف امام کاکوی نے اس افسوسناک واقعے کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ایک منتخب رکنِ پارلیمان کے ساتھ اس طرح کا سلوک جمہوری اقدار، آئینی وقار اور عوامی مینڈیٹ کی توہین ہے۔ اگر عوام کی آواز اٹھانے والے نمائندے بھی محفوظ نہ رہیں تو یہ پورے جمہوری نظام کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اختلافِ رائے جمہوریت کا حسن ہے، جرم نہیں۔ لاٹھی اور طاقت کے ذریعے آوازوں کو دبایا جا سکتا ہے، مگر عوام کے شعور، سچائی اور حق کی صدا کو کبھی خاموش نہیں کیا جا سکتا۔ سید آصف امام کاکوی نے مطالبہ کیا کہ اس واقعے کی فوری، غیر جانبدار اور شفاف تحقیقات کرائی جائیں اور اگر کسی سطح پر کوتاہی یا زیادتی ہوئی ہے تو ذمہ داروں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے۔ انہوں نے ڈاکٹر محمد جاوید کی جلد صحت یابی کے لیے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مکمل شفا عطا فرمائے اور ہمارے ملک میں آئین، جمہوریت اور عوامی حقوق ہمیشہ سربلند رہیں۔ کانگریس کے سینئر رہنما اور سابق ترجمان ارشد عباس، ایس۔ ایم۔ فرید، سمیت متعدد سماجی و سیاسی کارکنوں، صحافیوں اور باشعور شہریوں نے اس واقعے پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔ سبھی نے اس پورے معاملے کی غیر جانبدار، شفاف اور منصفانہ تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ جمہوری احتجاج کے دوران منتخب عوامی نمائندوں کے وقار اور آئینی حقوق کا ہر حال میں احترام کیا جانا چاہیے۔ جمہوریت میں احتجاج اپوزیشن کا آئینی حق ہے، جبکہ امن و امان برقرار رکھنا ریاست اور پولیس کی ذمہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ہر متنازع واقعے کی غیر جانبدارانہ تحقیقات ناگزیر ہیں تاکہ حقیقت سامنے آئے، اگر کہیں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس کی جواب دہی بھی طے ہو، اور عوام کا اعتماد جمہوری اداروں پر برقرار رہے۔ سیاسی اختلافات جمہوریت کا حسن ہیں، لیکن منتخب نمائندوں کی عزت، پارلیمانی روایات اور آئینی وقار ہر حال میں محفوظ رہنا چاہیے۔ نظریات کا جواب دلیل اور مکالمے سے دیا جانا چاہیے، طاقت اور تشدد سے نہیں۔ ہم دل کی گہرائیوں سے ڈاکٹر محمد جاوید کی جلد اور مکمل صحت یابی کے لیے دعا گو ہیں۔ ساتھ ہی امید کرتے ہیں کہ اس پورے معاملے کی غیر جانبدارانہ اور شفاف تحقیقات ہوں گی تاکہ آئین کی روح، جمہوری اقدار اور عوام کا اعتماد مزید مضبوط ہو۔ جمہوریت کی بنیاد خوف، تشدد اور تصادم پر نہیں بلکہ مکالمے، برداشت، انصاف اور جواب دہی پر قائم ہوتی ہے۔ اگر ان اصولوں کو کمزور کیا گیا تو نقصان کسی ایک جماعت یا ایک رہنما کا نہیں بلکہ پورے جمہوری نظام کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر محمد جاوید کو جلد از جلد مکمل صحت عطا فرمائے، اور ہمارے ملک میں جمہوریت، آئین اور عوامی وقار ہمیشہ سربلند رہے۔ آمین۔

نوجوانوں کو لاٹھی نہیں، مکالمہ چاہیے!

شرف الدین سید

بنگلور ۹۳۴۲۵۲۲۳۴۶

لہولہان دہلی

دہلی کی سڑکوں پر طلبہ کے جسموں پر پڑتی پولیس کی لاٹھیاں صرف چند نوجوانوں کو نہیں مار رہیں، بلکہ یہ منظر پورے ملک کے دل کو زخمی کررہا ہے۔
یہ اچھی علامت نہیں ہے۔

احتجاج کرنا جمہوری حق ہے، لیکن احتجاج کے نام پر قانون توڑنے یا ملک کے اہم اداروں کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی۔ پارلیمنٹ کی حفاظت حکومت اور پولیس کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی گروپ پارلیمنٹ کی طرف مارچ کرتا ہے تو اسے روکنا بھی ضروری ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہر مسئلے کا آخری حل لاٹھی ہی ہے؟

اگر کسی مسئلے پر طلبہ کئی دنوں سے احتجاج کررہے ہوں، بھوک ہڑتال جاری ہو اور پھر پارلیمنٹ مارچ کا اعلان بھی کر دیا گیا ہو تو حکومت کو پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ حالات کسی بھی وقت خراب ہوسکتے ہیں۔ ایسے وقت میں بات چیت کا راستہ اختیار کرنا زیادہ سمجھ داری تھی۔

تقریباً ۴۰ دن سے جاری احتجاج اور ۲۰ دن کی بھوک ہڑتال کے بعد پارلیمنٹ مارچ کوئی اچانک ہونے والا واقعہ نہیں تھا۔ حکومت کے پاس کافی وقت تھا۔ اگر پہلے ہی طلبہ کے نمائندوں سے بات کی جاتی، ان کے مسائل سنے جاتے اور ان کے غصے کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی تو شاید یہ نوبت ہی نہ آتی۔

آج کی نوجوان نسل پہلے کی نسلوں سے مختلف ہے۔ یہ وہ نسل ہے جس نے مار اور سخت ڈانٹ کے بجائے آزادی اور سہولت کے ماحول میں زندگی گزاری ہے۔ موبائل اور سوشل میڈیا اس کی زندگی کا حصہ ہیں۔ پولیس کی لاٹھی اس کے لیے ایک اجنبی تجربہ ہے۔

اس لیے جب پولیس کی لاٹھی کسی نوجوان پر پڑتی ہے تو چوٹ صرف اس کے جسم کو نہیں لگتی۔ اس کے دل میں بھی ایک سوال پیدا ہوتا ہے:
کیا میری بات سننے والا کوئی نہیں؟

اور آج سوشل میڈیا کا زمانہ ہے۔ پولیس کی ایک لاٹھی، ایک چیخ اور ایک تصویر چند لمحوں میں پورے ملک تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر وہ تصویر ہزاروں نوجوانوں کے غصے کا حصہ بن جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حکومت کو بہت سمجھ داری سے کام لینا ہو گا۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ نوجوان ہمارے اپنے بچے ہیں۔

ملک کا سیاسی نظام، انتظامیہ، تعلیمی ادارے، کسان، مزدور اور پورا معاشرہ آخر کس کے لیے محنت کررہا ہے؟ اسی نوجوان نسل کے لیے، جو کل ملک کی ذمہ داری سنبھالنے والی ہے۔

اس لیے نوجوانوں کو صرف قابو کرنے کی نہیں، سمجھنے کی ضرورت ہے۔

طلبہ جوان ہوتے ہیں۔ ان کے اندر جوش ہوتا ہے، جذبات ہوتے ہیں اور کبھی کبھی وہ جذبات میں غلط قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن ایک ذمہ دار حکومت کا کام صرف سزا دینا نہیں، راستہ دکھانا بھی ہے۔

حکومتوں کی اصل طاقت پولیس کی لاٹھی نہیں، عوام کا اعتماد ہوتا ہے۔

کسی ایک وزیر کا استعفیٰ حکومت کے لیے کوئی بہت بڑا نقصان نہیں۔ وزیر بدل سکتے ہیں، حکومتیں بدل سکتی ہیں، لیکن اگر نوجوانوں کا اعتماد ٹوٹ جائے تو اسے واپس حاصل کرنا آسان نہیں ہوتا۔

آج حکومت کے سامنے ایک موقع ہے۔ وہ اس احتجاج کو صرف ایک سیاسی مسئلہ سمجھ کر نظر انداز کرسکتی ہے، یا اسے ایک سنجیدہ وارننگ سمجھ کر نوجوانوں سے بات کرسکتی ہے۔

یہ غصہ صرف کسی ایک امتحان، کسی ایک فیصلے یا کسی ایک شخص کے استعفے کا مسئلہ نہیں بھی ہو سکتا۔ اس کے پیچھے نوجوانوں کی وہ بے چینی ہوسکتی ہے جو طویل عرصے سے دلوں میں جمع ہورہی ہے۔

دنیا کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب نوجوانوں کی آواز کو مسلسل نظر انداز کیا جاتا ہے تو چھوٹا سا احتجاج بھی بڑے بحران میں بدل سکتا ہے۔ ہمیں اپنے ملک میں ایسا کچھ نہیں ہونے دینا چاہیے۔

بھارت ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں اختلاف کی آواز کو دبانے کے بجائے سننے کی روایت مضبوط ہونی چاہیے۔

آج بھی وقت ہاتھ سے نہیں نکلا۔
حکومت کو چاہیے کہ وہ طلبہ سے بات کرے، ان کے مطالبات سنے، جو مطالبات جائز ہیں ان پر فوری کارروائی کرے اور ماحول کو مزید خراب ہونے سے بچائے۔

کیونکہ آج جن نوجوانوں کے ہاتھوں میں احتجاج کے بینر ہیں، کل انہی ہاتھوں میں اس ملک کی ذمہ داری ہو گی۔

انہیں لاٹھی نہیں، یقین چاہیے۔
انہیں خوف نہیں، مستقبل چاہیے۔
انہیں خاموشی نہیں، اپنی بات کہنے کا حق چاہیے۔

اور حکومت کو یہ سمجھنا ہو گا کہ:
لاٹھی کسی نوجوان کو چند لمحوں کے لیے خاموش کرسکتی ہے،
لیکن مکالمہ ہی اس کے دل کا غصہ ختم کرسکتا ہے۔

لہٰذا دہلی کو مزید لہولہان ہونے سے بچایئے۔۔۔
نوجوانوں سے لڑیئے نہیں، ان سے بات کیجیے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

غزل..........

لکھ دے مری وفا کو بھی مری ادا کے ساتھ
میرا نصیب جُڑ گیا تیری رضا کے ساتھ
جلتا رہا ہوں عمر بھر اک سچ کی آگ میں
رکھنا مرا چراغ بھی ٹوٹے دیا کے ساتھ
کچھ زخم وقت نے بھی دیے امتحان میں
کچھ تو سکون بھی ملا دل کی صدا کے ساتھ
وہ مسکرا کے چھوڑ گیا دل کو اس طرح
جیسے کوئی جدا ہو بہت سی ادا کے ساتھ
ہاتھوں پہ رنگِ عشق بھی چمکے گا بالیقیں
سرخی میرے لہو کی ملا لو حنا کے ساتھ
دل نے کہا کہ صبر کو سینے میں باندھ لے
ہونٹوں پہ مسکراں ہی رہی بے وفا کے ساتھ
وہ جب ملا تو خوف بھی سمٹا ہوا ملا
اک اجنبی سا قرب تھا اس آشن-ا کے ساتھ
فیصل یہی ہنر ہے غزل کے مزاج میں
لکھ دو جو دل میں آئے مگر التجا کے ساتھ

از قلم محمد فیضان فیصل
جمال نگر سہرسہ بہار انڈیا
۷۵۴۵۸۶۶۲۵۷

دینی اداروں کا تحفظ: وقت کی اہم ترین قومی، ملی اور دینی ذمہ داری

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی
خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفی سہلاؤ شریف، گرڈیا، ضلع: باڑمیر (راجستھان)

ملتِ اسلامیہ کی علمی، دینی، اخلاقی اور تہذیبی شناخت کا سب سے مضبوط ستون مدارس، مساجد اور خانقاہیں ہیں۔ یہی وہ مبارک مراکز ہیں جہاں قرآنِ کریم کی تعلیم عام ہوتی ہے، سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی دلوں کو منور کرتی ہے، عقیدہ و عمل کی اصلاح ہوتی ہے، اخلاق و کردار کی تعمیر کی جاتی ہے، روحانی تربیت کا اہتمام ہوتا ہے اور خدمتِ خلق کے جذبات کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ صدیوں سے یہی ادارے معاشرے میں امن، اخوت، اعتدال، رواداری، خیر خواہی اور حسنِ اخلاق کے فروغ کا مؤثر ذریعہ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں کا وجود صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لیے خیر، امن اور استحکام کی علامت ہے۔

موجودہ حالات ہم سب سے غیر معمولی سنجیدگی، بصیرت، دور اندیشی اور باہمی اتحاد کا تقاضا کرتے ہیں۔ خصوصاً سرحدی اور حساس علاقوں میں واقع مدارس، مساجد اور خانقاہوں کے حوالے سے مختلف نوعیت کے مسائل اور چیلنجز سامنے آرہے ہیں۔ ایسے نازک حالات میں محض جذباتی ردِ عمل یا وقتی جوش سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ حکمت، آئینی شعور، قانونی بصیرت، منظم منصوبہ بندی اور اجتماعی تدبر ہی کامیابی کی ضمانت بن سکتے ہیں۔

یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ مدارس، مساجد اور خانقاہوں کا تحفظ صرف چند عمارتوں، زمینوں یا جائیدادوں کی حفاظت کا نام نہیں بلکہ یہ ہماری دینی شناخت، علمی سرمایہ، تہذیبی وراثت، ملی شعور اور آئندہ نسلوں کے فکری مستقبل کے تحفظ کا معاملہ ہے۔ اگر یہ ادارے مضبوط، منظم اور باوقار رہیں گے تو امت کا دینی تشخص بھی محفوظ رہے گا اور معاشرے میں اخلاقی اقدار بھی مستحکم ہوں گی۔

آج کے دور میں کسی بھی دینی ادارے کی اصل طاقت صرف اس کی قدامت، شہرت یا عوامی مقبولیت نہیں بلکہ اس کا مضبوط انتظام، شفاف مالی نظام، قانونی استحکام، اعلیٰ تعلیمی معیار، منظم ریکارڈ، سماجی خدمات اور عوام کا غیر متزلزل اعتماد ہے۔

اس لیے ہر مدرسہ، مسجد اور خانقاہ کو اپنے انتظامی، تعلیمی اور قانونی نظام کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔

وقت کا اہم تقاضا یہ ہے کہ ہر ادارے کے تمام قانونی کاغذات، رجسٹری، وقف نامے، ملکیت کے ریکارڈ، نقشے، سرکاری دستاویزات اور دیگر ضروری فائلیں مکمل، محفوظ اور ہر وقت تازہ رکھی جائیں۔ موجودہ ڈیجیٹل دور میں ان تمام ریکارڈز کی الیکٹرانک کاپیاں بھی محفوظ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال میں ادارے کے حقوق کا مؤثر تحفظ کیا جاسکے۔ اگر کسی معاملے میں قانونی پیچیدگی پیدا ہو تو جذباتی فیصلوں یا غیر ذمہ دارانہ اقدامات کے بجائے مستند قانونی ماہرین اور اہلِ علم سے مشورہ کیا جائے اور ہر قدم مکمل طور پر آئین و قانون کے دائرے میں رہ کر اٹھایا جائے۔ قانون کی پاسداری نہ صرف ایک شہری ذمہ داری ہے بلکہ اسلامی تعلیمات بھی عدل، نظم اور ذمہ داری کا درس دیتی ہیں۔

اسی طرح مقامی انتظامیہ، سرکاری اداروں، سماجی نمائندوں اور باثر افراد کے ساتھ خوشگوار، باوقار اور تعمیری روابط قائم رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ مسلسل رابطہ، باہمی اعتماد اور مثبت مکالمہ بہت سے مسائل کو جنم لینے سے پہلے ہی ختم کر دیتا ہے اور اداروں کے وقار میں اضافہ کرتا ہے۔

دینی اداروں کو اپنی داخلی اصلاح پر بھی خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ تعلیمی معیار میں بہتری، نظم و ضبط کی مضبوطی، صفائی داریوں سے پوری طرح واقف رہیں۔

آج کا دور انتشار کا نہیں بلکہ اتحاد کا ہے۔ تمام دینی، تعلیمی اور سماجی اداروں کو علاقائی، جماعتی اور شخصی اختلافات سے بالاتر ہو کر مشترکہ دینی و ملی مفادات کے لیے تعاون، مشاورت اور باہمی اعتماد کو فروغ دینا چاہیے۔ منتشر قوتیں ہمیشہ کمزور ہوتی ہیں، جبکہ متحد قومیں ہر آزمائش کا مقابلہ صبر، حکمت اور ثابت قدمی کے ساتھ کرتی ہیں۔

ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ مدارس، مساجد اور خانقاہوں کی اصل طاقت ان کی بلند و بالا عمارتیں نہیں بلکہ ان کا اخلاص، کردار، علم، خدمتِ دین، خدمتِ انسانیت، عوامی اعتماد، شفافیت، حسنِ انتظام اور قانون کی مکمل پاسداری ہے۔ جب یہ تمام اوصاف کسی ادارے میں جمع ہو جائیں تو اس کا وقار بھی محفوظ رہتا ہے، اس کی ساکھ بھی مضبوط ہوتی ہے اور اس کا مستقبل بھی روشن ہو جاتا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جذبات کے بجائے حکمت، اختلاف کے بجائے اتحاد، تصادم کے بجائے مکالمہ، انتشار کے بجائے تنظیم، اور بے ترتیبی کے بجائے منظم منصوبہ بندی کو اختیار کریں۔ اگر ہم اپنے دینی اداروں کو علمی، اخلاقی، انتظامی، قانونی اور سماجی ہر اعتبار سے مضبوط بنا دیں تو ان شاء اللہ یہ عظیم مراکز آئندہ نسلوں کے لیے بھی ہدایت، اصلاح، علم، امن اور خیر کا روشن مینار بنے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام مدارس، مساجد، خانقاہوں اور دینی اداروں کی ہر قسم کے فتنوں اور آفات سے حفاظت فرمائے، ان کے ذمہ داران کو حکمت، بصیرت، اخلاص، دیانت اور استقامت عطا فرمائے، ہمارے وطن میں امن، عدل، قانون کی بالادستی، باہمی احترام اور بھائی چارے کو فروغ دے، اور ہمیں اپنی دینی، ملی اور قومی امانتوں کی صحیح معنوں میں حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین (ﷺ)

نفاق ہر دور کا سب سے بڑا فتنہ:

اسلام کی تاریخ میں جہاں بعض شخصیات ایسی ہیں جن کی سیرت کے روشن چراغ اہلِ ایمان کے دلوں کو ایمان، اخلاص اور تقویٰ کی روشنی سے منور کر دیتے ہیں، وہیں کچھ ایسے افراد بھی گزرے ہیں جن کی دوہری زندگی اور منافقانہ کردار قیامت تک کے لیے اہلِ ایمان کے لیے عبرت و نصیحت کا سامان بن گئے۔ انہی میں عبد اللہ بن اُبی بن سلول کا نام نمایاں ہے، جس کی زندگی حسد، تکبر، دنیاوی اقتدار کی ہوس اور حق سے عناد کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ اس نے نفاق میں اس قدر پیش قدمی کی کہ تاریخِ اسلام نے اسے "رأس المنافقین" (منافقوں کا سردار) کے لقب سے یاد کیا۔ اس کی زندگی سے یہ واضح ہے کہ جب دل حسد، تکبر اور جاہ و منصب کی محبت سے بھر جائے تو انسان حق کو پہچان لینے کے باوجود اسے قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہ جاتا ہے۔

ہجرتِ نبوی سے قبل مدینہ میں اوس اور خزرج کے درمیان طویل جنگوں کے بعد حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ دونوں قبیلے عبد اللہ بن اُبی کو اپنا متفقہ سردار اور حکمران بنانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس کے لیے تاج تیار کیا جارہا تھا اور وہ اپنی بادشاہت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول حضرت محمد ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے مدینہ کی فضا بدل گئی، لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے اور وہ قیادت و تاج شاہی جس کا خواب عبد اللہ بن اُبی دیکھ رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو عطا فرما دی۔ اور یہیں سے اس کے دل میں حسد، کینہ اور بغض نے جنم لیا۔

اگرچہ اپنے قبیلے کے مسلمانوں کے اصرار پر اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا، لیکن اس کا دل ایمان سے خالی اور نفاق سے بھرا رہا۔ وہ ہر اس موقع کی تلاش میں رہتا تھا جس سے مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچا سکے اور رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر سکے۔ اس کی منافقانہ سوچ کا اظہار ہجرت کے ابتدائی ایام ہی میں ہو گیا تھا۔ غزوۂ بدر سے پہلے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے تو قریش نے عبد اللہ بن اُبی اور اوس و خزرج کے ان مشرکین کو، جو اس کے ساتھ تھے، یہ دھمکی آمیز پیغام بھیجا:

إِنَّكُمْ آوَيْتُمْ صَاحِبَنَا وَإِنَّا نُقْسِمُ بِاللَّهِ لَتُقَاتِلُنَّهُ أَوْ لَتُخْرِجُنَّهُ أَوْ لَنَسِيرَنَّ إِلَيْكُمْ بِأَجْمَعِنَا حَتَّى نَقْتُلَ مُقَاتِلَتَكُمْ وَنَسْتَبِيحَ نِسَاءَكُمْ، فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أُبَيٍّ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ اجْتَمَعُوا لِقِتَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُمْ فَقَالَ: "لَقَدْ بَلَغَ وَعِيدُ قُرَيْشٍ مِنْكُمُ الْمَبَالِغَ مَا كَانَتْ تَكِيدُكُمْ بِأَكْثَرَ مِمَّا تُرِيدُونَ أَنْ تَكِيدُوا بِهِ أَنْفُسَكُمْ تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا أَبْنَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ، فَلَمَّا سَمِعُوا ذَلِكَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفَرَّقُوا.

ترجمہ: تم نے ہمارے ساتھی (محمد ﷺ) کو پناہ دی ہے، لہٰذا یا تو ان سے جنگ کرو یا انہیں مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے، تمہارے جنگجوؤں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو قیدی بنا لیں گے۔ اس دھمکی کے بعد عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف کارروائی کے لیے جمع ہونے لگے، لیکن جب نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: قریش کی دھمکی نے تم پر بہت اثر کیا ہے، حالانکہ وہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا تم خود اپنے آپ کو پہنچانا چاہتے ہو۔ کیا تم اپنے ہی بیٹوں اور اپنے ہی بھائیوں سے جنگ کرنا چاہتے ہو؟ نبی کریم ﷺ کی یہ حکیمانہ نصیحت سن کر وہ منتشر ہو گئے۔ (ابو داؤد حدیث نمبر ۳۰۰۴)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن اُبی کا نفاق محض دل کا مرض نہیں تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے لیے بیرونی دشمنوں سے بھی اثر قبول کرنے اور ان کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے تیار رہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی بصیرت اور حکمت کے ذریعے اس فتنے کو ناکام بنا دیا۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قيل: يا نبي الله لو أتيت عبد الله بن أبي، فانطلق النبي صلى الله عليه وسلم فركب حماراً وانطلق المسلمون يمشون وهي أرض سبخة، فلما أتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إليك عني، فوالله لقد آذاني نتن حمارك، فقال رجل من الأنصار: والله لحمار رسول الله صلى الله عليه وسلم أطيب ريحاً منك. فَغَضِبَ لِعَبدِ اللهِ رَجُلٌ مِن قَومِهِ، فَشَتَمَهُ، فَغَضِبَ لِكُلِّ واحِدٍ مِنهُما أَصحابُهُ، فكان بينهما ضَربٌ بالجَرِيدِ والأيدي والنِّعالِ فبلغنا أنها أُنزِلَت: {وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا} [الحجرات:۹]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ عبد اللہ بن ابی (منافق) کے یہاں تشریف لے چلتے تو بہتر ہوتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ ایک گدھے پر سوار تھے اور مسلمان آپ کے ساتھ پیدل چل رہے تھے، جبکہ وہ زمین شور زدہ تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: مجھ سے دور رہیے، اللہ کی قسم! آپ کے گدھے کی بدبو نے مجھے اذیت دی ہے۔ اس پر ایک انصاری نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی خوشبو تجھ سے کہیں بہتر ہے۔ اس پر دونوں طرف کے لوگوں میں تلخی پیدا ہوئی اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات کی یہ عظیم ہدایت نازل فرمائی: وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا۔ یعنی اگر اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ (بخاری حدیث نمبر: ۲۶۹۱)

عبد اللہ بن اُبی کی سب سے بڑی سازش واقعۂ افک تھی، جب اس نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ پر جھوٹا الزام لگانے والوں کی سرپرستی کی اور اس بہتان کو پھیلانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ یہ مسلمانوں کے لیے نہایت کڑا امتحان تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیات نازل فرما کر حضرت عائشہ کی پاک دامنی کا اعلان فرمایا اور بہتان تراشوں کے لیے سخت وعید سنائی: إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ۔ اس واقعے نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین، اپنے رسول ﷺ اور اپنے نیک بندوں کی عزت و حرمت کی حفاظت خود فرماتا ہے، جبکہ جھوٹ، بہتان اور سازش کرنے والے بالآخر رسوا ہوتے ہیں۔ اور آج بھی اس عادت کے افراد جہاں اپنی فکری گندگی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ بھی اسی طرح ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور رسوائی کا داغ کو اپنی پیشانی کی علامت بنا لیتے ہیں۔

عبد اللہ بن اُبی کی پوری زندگی اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ حسد انسان کے اعمال کو برباد کر دیتا ہے، تکبر دل کو حق سے محروم کر دیتا ہے اور دنیاوی اقتدار کی محبت انسان کو نفاق کی گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہے۔ اس کے برعکس ایمان، اخلاص، حسنِ اخلاق، سچائی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھنا ہی کامیابی کا راستہ ہے۔

آج اگرچہ ہمارے درمیان عبد اللہ بن اُبی موجود نہیں، لیکن اس کی صفات اور اس کا طرزِ عمل مختلف صورتوں میں آج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایسے لوگ زبان سے خیر خواہی، محبت اور وفاداری کا اظہار کرتے ہیں، مگر ان کے دل حسد، بغض اور ذاتی مفادات سے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر دین، ملت یا جماعت کے خیر خواہ بنتے ہیں، زبان پر قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی صدائیں رہتی ہیں لیکن پسِ پردہ اختلافات کو ہوا دیتے، بدگمانیاں پھیلاتے اور اہلِ حق کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے افراد ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کب کوئی واقعہ پیش آئے اور وہ اسے اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں۔

قرآنِ کریم نے منافقین کی اسی روش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے دلوں میں ایک چیز چھپاتے ہیں اور زبان سے دوسری بات کہتے ہیں۔ ان کی ظاہری گفتگو پر دھوکا نہیں کھانا چاہیے، بلکہ ان کے اعمال، کردار اور طرزِ عمل کو دیکھنا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو باہمی اتحاد، حسنِ ظن، تحقیقِ خبر اور فتنوں سے بچنے کی تلقین فرمائی، تاکہ منافق مزاج افراد اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

اگرچہ نفاقِ اعتقادی، جس میں انسان ظاہراً اسلام کا اظہار کرے مگر باطن میں کفر چھپائے، امتِ محمدیہ میں وحی کے انقطاع کے بعد اپنی پہلی صورت میں موجود نہیں، لیکن نفاقِ عملی کی علامات آج بھی معاشرے میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔

موجودہ دور میں سوشل میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی وسعت نے فتنوں، افواہوں اور بے بنیاد الزامات کے پھیلاؤ کو نہایت آسان بنا دیا ہے۔ ایک جھوٹی خبر یا بے اصل الزام چند لمحوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات پورے عالم میں انتشار کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ کسی بھی خبر کو تحقیق کے بغیر آگے نہ بڑھائے، کسی کی عزت و آبرو سے متعلق بات کو بلا تحقیق قبول نہ کرے اور نہ ہی ہر ٹوپی، جبہ یا دستار پہننے والے شخص کی بات پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرے۔ اسلام نے شخصیت پرستی نہیں، بلکہ دلیل، تحقیق اور امانت داری کی تعلیم دی ہے۔ اس لیے ہر معاملے میں معتبر ذرائع، مستند اہلِ علم اور دیانت دار شخصیات سے رجوع کیا جائے اور عدل، انصاف اور تقویٰ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے۔

اسی طرح ایسے افراد سے بھی ہوشیار رہنا ضروری ہے جو اپنے ذاتی مفادات، تعصبات یا خواہشات کی بنا پر مسلمانوں کے درمیان نفرت، تفریق، بداعتمادی اور انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک صاحبِ ایمان کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان کے فریب میں آنے کے بجائے قرآن و سنت کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھامے، علماءِ حق کی رہنمائی اختیار کرے، امت کے اتحاد و اتفاق کی حفاظت کرے اور ہر حال میں سچائی، اخلاص، خیر خواہی اور حسنِ اخلاق کو اپنا شعار بنائے۔ یہی وہ راستہ ہے جو انسان کو نفاق کی عملی صورتوں سے محفوظ رکھتا اور امت کی وحدت و سلامتی کا ضامن بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے ظاہری و باطنی نفاق سے محفوظ فرمائے، ہمارے دلوں کو اخلاص، تقویٰ اور محبتِ رسول ﷺ سے بھر دے اور ہمیں ایسے تمام فتنوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے جو امت کے اتحاد اور دین کی سلامتی کے لیے نقصان دہ ہوں۔ آمین۔

ابو العطر محمد عبد السلام امجدی برکاتی
تاراپٹی، دھنوشا (نیپال)
حال مقیم: دوحہ قطر
۲۰۲۶/۰۷/۲۳

ہم قید میں ہیں اب بھی، چہرے بدل گئے ہیں!

سرفراز احمد قاسمی حیدرآباد
رابطہ:۸۰۹۹۶۹۵۱۸۶

دہلی کے جنتر منتر پر ان دنوں تاریخ کا سب سے بڑا احتجاج جاری ہے، پیپر لیکس کے خلاف لاکھوں طلباء اور نوجوان ملک کے مختلف شہروں میں سڑکوں پر ہیں۔ دارالحکومت دلی کے جنتر منتر اور پارلیمنٹ تک جانے والی سڑکوں پر جو مناظر دیکھے جارہے ہیں،اس بارے میں کہا جارہا ہے کہ گزشتہ کئی دہائیوں میں نوجوانوں کا ایسا ہجوم حکومت سے سوال کرنے کے لیے سڑکوں پر نہیں نکلا،لاکھوں نوجوان کسی سیاسی جماعت کی کال پر نہیں بلکہ موجودہ چیف جسٹس کے ایک طنز سے وجود میں آنے والی جماعت، کاکروچ جنتا پارٹی کی کال پر ملک کے مختلف شہروں سے اپنے مستقبل کو لیکر پریشان حال طلباء اور کم عمر بچیاں اس انقلابی تحریک کا حصہ بن رہے ہیں،اسی لئے غیر ملکی میڈیا میں اسطرح کے سوال اٹھائے جارہے ہیں کہ کیا اِن مظاہروں کو انڈیا کی "جین زی" تحریک کہنا درست ہوگا؟ کیا اب بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی سے سخت سوال اور انکا محاسبہ ہونے لگا ہے؟ کیا اب ملک کے لوگوں کو غلامی کا احساس ہوچلا ہے؟ کیا لوگ اب سمجھنے لگے ہیں کہ ہم اب بھی قید میں ہیں،ہمیں غلام بنالیا گیا اور ہماری آزادی کو سلب کرلیا گیا ہے؟ ہر طرف تبصرے ہورہے ہیں۔ کوئی اسے طلبہ کی جیت قرار دے رہا ہے، کوئی حکومت کی ناکامی تو کوئی مختلف تنظیموں کے کردار پر گفتگو کررہا ہے اور بہت سے لوگوں کی نگاہیں پارلیمنٹ کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ شاید آنے والے دنوں میں ملک کے حالات ایک نئی کروٹ لیں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی ریاست اور عوام کے درمیان اعتماد کی دیوار کمزور ہوتی ہے تو سڑکیں آباد ہوجاتی ہیں اور سوالوں سے بھر جاتی ہیں،کیونکہ پارلیمنٹ کا راستہ اسی سڑک سے ہوکر گذرتا ہے،شاہین باغ،جامعہ ملیہ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وغیرہ سے اٹھنے والی آواز کو آہنی پنجوں سے کچل کر یہ پیغام دیا گیا کہ ہماری حکومت میں آواز اٹھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ اسی طرح کچل دئے جاؤگے اور پھر یہ سمجھ لیا گیا کہ اب بھارت ہمارے باپ کی جاگیر ہے،ہم جو چاہیں گے، کریں گے، کوئی ہمارے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں کرسکتا اور اب جنتر منتر یہ صرف مقامات نہیں،بلکہ وہ نام ہیں جو ہندوستان میں احتجاج،اختلافِ رائے اور شہریوں کے بنیادی حقوق کی بحث کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، جنتر منتر پر طلبہ اور مظاہرین کے خلاف پولیس کارروائی کی تصاویر اور ویڈیوز جب منظر عام پر آتی ہیں تو یہ لوگوں کو ماضی کے ان واقعات کی یاد دلاتی ہیں جن میں مختلف احتجاجی مقامات پر طاقت کے بے جا استعمال کے الزامات عائد کئے گئے تھے۔ایسے مناظر کسی بھی حساس معاشرے کے لیے باعثِ تشویش ہوتے ہیں، کیونکہ اختلافِ رائے کو جمہوریت کا ایک بنیادی حصہ سمجھا جاتا ہے، تحریک شاہین باغ ہو، طلبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مظاہرے ہوں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے واقعات ہوں، کسان آندولن، یا پھر کوئی اور تحریک ہو،ان ساری تحریکوں نے ایک بنیادی سوال کھڑا کیا تھا کہ اگر یہ ملک آزاد ہے، یہاں جمہوریت اور جمہوری نظام قائم ہے تو پھر شہریوں کو اپنی بات پرامن انداز میں رکھنے کا پورا موقع ملنا چاہیے؟ دوسری طرف حکومت کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ امن وامان برقرار رکھے اور اسکے لئے ایسے تمام حادثات کی غیر جانبدارانہ تحقیق اور قانون کے مطابق احتساب ضروری ہے تاکہ اگر کہیں اختیارات کا ناجائز استعمال ہوا ہو تو اسکے ذریعہ انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا جاسکے اور اگر کہیں قانون شکنی ہوئی ہو تو اس کا مناسب قانونی جواب دیا جائے، جمہوریت کی اصل طاقت صرف انتخابات نہیں، بلکہ اس بات میں ہے کہ ملک کے شہری اختلافِ رائے کا اظہار آزادانہ طور پر کرسکیں، اپنی حکومت سے سوال پوچھ سکیں، اسکی جواب دہی طے کرسکیں اور اپنی آواز بلند کرسکیں۔جب سوال پوچھنے والے خوف محسوس کرنے لگیں تو سماج زنگ آلود اور کمزور ہوجاتا ہے۔اسی طرح احتجاج کرنے والوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے مطالبات پرامن اور آئینی طریقوں سے پیش کریں، تاکہ ان کی آواز زیادہ مؤثر اور باوقار انداز میں سنی جاسکے،ظاہر ہے یہ چیزیں کسی ایک جماعت، ایک مذہب، ایک زبان یا ایک نظریے کی نہیں ہیں۔ آج اگر کسی ایک طبقے کی آزادیِ اظہار متاثر ہوتی ہے تو کل یہی خطرہ کسی دوسرے طبقے کے سامنے بھی آسکتا ہے۔ اس لیے شہری آزادیوں کا دفاع اصولوں کی بنیاد پر ہونا چاہیے، نہ کہ صرف اس وقت جب متاثر ہونے والا ہمارا ہم خیال ہو اور ہم مذہب ہو، ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زندہ اور حساس معاشرہ وہی ہے جہاں اختلاف کو دشمنی نہیں سمجھا گیا، بلکہ مکالمے کا ذریعہ بنایا گیا۔ نفرت کے بجائے دلیل، تشدد کے بجائے قانون، اور خاموشی کے بجائے آئینی آواز ہی ایک جمہوری سماج کو مہذب وترقی یافتہ بناتی ہے اور آگے لے جاتی ہے۔ آج اگر کہیں کسی طالب علم، مزدور، کسان، صحافی یا عام شہری کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے تو اس کے لئے آواز اٹھانا صرف اس شخص کا نہیں بلکہ پورے معاشرے کا اخلاقی فریضہ ہے۔ انصاف کا اصول یہی ہے کہ وہ سب کے لیے یکساں ہو، چاہے متاثرہ شخص کسی بھی مذہب، ذات، زبان یا سیاسی نظریے سے تعلق رکھتا ہو، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اختلافات کے باوجود انسانی وقار، آئین کی بالادستی، قانون کی حکمرانی اور پرامن جمہوری اظہار کے حق کا احترام کریں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ آنے والی نسلیں ایک مضبوط اور آزاد معاشرے میں سانس لیں تو ہمیں انصاف، مکالمہ اور دستوری راستے کو ہی اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنانا ہوگا۔ آواز اٹھانا ہر کسی کا جمہوری حق ہے، مگر اس کے ساتھ ذمہ داری، تحمل اور قانون کا احترام بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ ایک بہتر ہندوستان اسی وقت ممکن ہے جب ہر شہری بلاخوف و دہشت اپنی بات کہہ سکے اور ہر ادارہ اپنے آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دے۔ جنتر منتر کے علاوہ ملک کے کئی شہروں میں ہونے والے طلبا مظاہرین پر پولس نے لاٹھی چارج کیا، انتہائی بے رحمی سے انھیں پیٹا گیا، آنسو گیس کے گولے چھوڑے گئے، انکے ساتھ ظلم و بربریت کی تمام حدیں پار کی گئیں، ان سب کے باوجود ان طلبا کا اپنے حق کیلئے اٹھنا اور پولیس تشدد کے خلاف ڈٹ جانا ایک بہت اچھی خبر کہی جاسکتی ہے، جس نے ملک کے دیگر تمام طبقات، سیاسی جماعتوں انفلوئنسرز کو بھی ان کی حمایت کرنے پر مجبور کردیا، ملک کی تقریبا ساری اپوزیشن پارٹیاں کھل کر انکی حمایت کررہی ہیں، کیونکہ طلبا جب سڑکوں پر نکلتے ہیں تو پھر قافلے بنتے چلے جاتے ہیں، اس سے قبل سری لنکا، بنگلہ دیش اور نیپال وغیرہ میں طلبا انقلاب کے سارے مناظر اپنی آنکھوں سے ہم سب ابھی حال ہی میں دیکھ چکے ہیں، جنتر منتر پر طلباء کے ساتھ ہوئی پولس کی غنڈہ گردی اور لاقانونیت کو لیکر ایک وکیل نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس آف انڈیا سوریہ کانت کی قیادت والی بنچ کے سامنے اس معاملے کو رکھا اور اسکی حساسیت کے پیش نظر عدالت عظمی کی توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا کہ قومی دارالحکومت میں کاکروچ جنتا پارٹی کے سنسد چلو مارچ کے دوران دہلی پولیس نے جس بے رحمی سے طلباء کو اس لئے مارا پیٹا کہ انھوں نے امتحان کا پرچہ لیک ہونے پر مرکزی وزیر تعلیم دھرمیندر پردھان سے استعفیٰ مانگا، وکیل نے سی جے آئی کی سربراہی والی سہ رکنی بنچ کے سامنے استدلال کیا کہ پولیس نے طلباء کو مارا پیٹا۔ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا اسلئے یہ معاملہ انتہائی حساس ہے، اس پر توجہ دی جائے اور اسے سنا جائے، بنچ میں جسٹس سوریہ کانت کے علاوہ جسٹس جویمالیہ باغچی اور وی موہنا بھی شامل تھے۔ وکیل نے زور دیا کہ مظاہرین کے خلاف آنسو گیس اور دیگر اقدامات کا استعمال کیا گیا تو چیف جسٹس آف انڈیا سوریہ کانت نے وکیل سے کہا، "ہمارے پاس ویڈیو دیکھنے کے لئے وقت نہیں ہے، ہمارا وقت ضائع نہ کریں اور اپنا وقت بھی ضائع نہ کریں۔ آپ کا وقت ہمارے وقت سے زیادہ قیمتی ہے۔" وکیل نے دلیل دی کہ طلباء کچھ اہم مطالبات کررہے ہیں: ایک، یہ کہ نیٹ کا امتحان مفت اور منصفانہ ہونا چاہئے؛ نیشنل ٹیسٹنگ ایجنسی کو تحلیل کردیا جائے، لیکن سی جے آئی نے واضح کیا کہ بنچ ان کی درخواست پر غور کرنے کا خواہاں نہیں ہے اور ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اسکا سیدھا مطلب اسکے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ عدالت عظمی اور چیف جسٹس کو اتنے اہم معاملے کی حساسیت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، کیا ایک آزاد ملک کی عدالت عظمی اور چیف جسٹس کی زبان ایسی ہی ہوتی ہے؟ کیا کسی آزاد ملک میں بروقت انصاف کی فراہمی اسی طرح ہوتی ہے؟ ملک کے لاکھوں طلبا اور نوجوان سڑکوں پر ہوں، اپنے مطالبات کا اعلان کررہے ہوں، تعلیمی نظام میں پیدا ہونے والی بے راہ روی اور من مانی کا ذکر کررہے ہوں لیکن سپریم کورٹ کے لئے یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے آخر ایسا کیوں؟ حالانکہ ان جیسے حساس معاملے پر عدالت کو خود ہی ایکشن لینا چاہئے تھا اور سوموٹو کے ذریعے اپنے اختیارات کا استعمال کرنا چاہئے تھا، لیکن یہ سب تو کسی آزاد اور جمہوری ملک میں ہوتا ہے، بھارت جب آزاد ہی نہیں ہے تو یہاں یہ سب کیونکر ممکن ہو؟ میں پچھلے کئی برسوں سے یہ لکھتا رہا ہوں کہ اب بھارت کو غلام بنا لیا گیا، دستور کو پیروں تلے روند کر یہاں جمہوریت کا جنازہ کئی سال پہلے پڑھا جاچکا ہے اور ملک سے جمہوریت بہت پہلے ختم ہوچکی ہے، یہ بات ہمارے جیسے بہت سارے لوگ کہتے اور لکھتے رہے ہیں، ابھی کل ہی کانگریس پارٹی کی قائد پرینکا گاندھی نے جنتر منتر کے طلبا سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا کہ ملک سے جمہوریت ختم ہوچکی ہے، پارلیمنٹ میں جو کچھ ہورہا ہے وہ غیر جمہوری ہے، ایوان میں طلباء کے مسائل پر بحث نہیں ہونے دیا جارہا ہے، جبکہ جمہوریت میں سب سے بڑی چیز اظہار رائے کی آزادی اور پرامن احتجاج کا حق ہوتی ہے، انھوں نے کہا کہ اپوزیشن لیڈر کو پارلیمنٹ میں بولنے نہیں دیا جاتا، ہم لوگ جب بھی بولنے کے لئے اپنی نشست سے اٹھتے ہیں ہمیں روک دیا جاتا ہے، عوامی مسائل کے لئے اسپیکر سے رجوع کرتے ہیں اور بحث کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ حکومت سے پوچھ کر بتائیں گے، یہ سب کیا ہے؟ یہ کیسی جمہوریت ہے؟ جمہوریت تو ملک سے ختم کردی گئی ہے۔

کاکروچ جنتا پارٹی کے مارچ میں ۲۰ جولائی کو جو کچھ ہوا، تاریخ بتاتی ہے کہ پولس کی ایسی بربریت، انگریز بہادر کے راج میں بھی نہیں ہوا وہ دور غلامی تھا لیکن انگریز حکمراں کچھ نہ کچھ آزادیِ رائے کا خیال رکھتے تھے۔ آج کی طرح زبان بندی سے اجتناب کرتے تھے، ۱۹ جولائی کی شام سے ہی جنتر منتر پر نوجوان، سیاسی و غیر سیاسی لیڈران اور کارکنان کے علاوہ بڑی تعداد میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں وہاں جمع ہوگئے، فٹ پاتھ اور سڑکوں پر پوری رات لڑکے، لڑکیوں نے جاگ کر گزارا، صبح سارے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور مارچ کی تیاری کرنے لگے۔ ۹ بجے صبح سے ہی مارچ کا آغاز ہوگیا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک نہ ہوں اس کے لئے حکومت نے دہلی کی بس سروسز اور میٹرو ریل کو بند کردیا تھا۔ آج جبکہ یہ تحریر لکھی جارہی ہے دہلی بند ہے کم ازکم بیس میٹرو اسٹیشن اور درجنوں بسیں اب بھی بند ہیں، سڑکوں پر جگہ جگہ بیریکیٹ اور بلاکیڈ لگا دیا گیا تھا۔ اسکے باوجود نوجوانوں، بزرگوں کا سیلاب امڈ پڑا۔ بیریکیڈ توڑدیے گئے۔ مارچ کرنے والے پارلیمنٹ کی طرف رواں دواں ہوگئے۔ روکنے کے لئے ٹیئر گیس کا گولا داغا گیا، پانی کی بوچھار کی گئی اور لاٹھی چارج کیا گیا جس کی زد میں آکر کئی لڑکے لڑکیاں بے ہوش ہوگئے۔ درجنوں زخمیوں کو علاج کے لئے ہاسپٹل منتقل کیا گیا۔ دہلی پولس جس بے رحمی سے نوجوانوں پر لاٹھیاں برسارہی تھی اس کے سارے مناظر سوشل میڈیا اور یوٹیوبر پیش کررہے تھے۔ پولس کی وردی سے نام پلیٹ غائب تھے، سول ڈریس میں پولس کے ظالمانہ اقدام کو دنیا بھر کے لوگ دیکھ رہے تھے۔ پولس اور ریزرو فورسز کے لوگوں کی نادانی اور حماقت دیکھئے کہ جو نوجوان اپنا گھر بار، اپنی ڈیوٹی، اپنے کاروبار اور کام کاج چھوڑ کر بھوکے، پیاسے شہریوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے آئے تھے، جس میں پولس یا ریزرو فورسز کے لڑکے اور لڑکیاں بھی شامل ہیں لیکن ان سپاہیوں کا ضمیر اتنا مردہ ہوچکا ہے کہ وہ جس پر بے دریغ لاٹھیاں برسارہے ہیں وہ حقیقت میں اپنے بچے بچیوں کے مستقبل پر ضرب لگا رہے ہیں اور انھیں خطرے میں ڈال رہے ہیں، اگر ملک میں اظہارِ رائے کی آزادی ہوتی اور احتجاج و مظاہرے کا حق سلب نہیں کیا گیا ہوتا تو ۲۰ جولائی کو دہلی اور آس پاس کے مظاہرین اور احتجاجیوں سے جنتر منتر بھر جاتا، خوف و ہراس کا ماحول اور جگہ جگہ رکاوٹوں کے باوجود لاکھوں لوگوں کا سیلاب صرف چند گھنٹے میں دارالحکومت میں جس طرح ٹھاٹھیں مارنے لگا اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر لاکھوں لوگ ظلم و ستم سہتے ہوئے پارلیمنٹ کی گیٹ تک، لاٹھیاں کھاتے ہوئے پہنچ گئے، اس طرح پورے دہلی میں افراتفری کا ماحول تھا اور اب تو پورے ملک میں بے اطمینانی کی فضا بنی ہوئی ہے، سڑک سے لیکر پارلیمنٹ تک سب ٹھپ پڑا ہے، پارلیمنٹ کا آج چوتھا دن ہے لیکن کوئی کام وہاں پچھلے چار دنوں سے نہیں ہورہا ہے، طلبا کا یہ ملک گیر احتجاج کسی بڑے انقلاب کی آہٹ تو نہیں؟ ملک کے ہر فرد کو اس تاریخ ساز مظاہرے کی حمایت کرنی چاہئے، ہر پارٹی کو اسکا خیر مقدم کرنا چاہئے، اس میں شریک ہوکر آمریت اور فسطائیت کی دیوار کو ہمیشہ ہمیش کے لئے منہدم کردینا چاہئے تاکہ ملک میں جنگل راج کے بجائے قانون کا راج قائم ہو، ہر ایک کو یہاں مکمل حقوق حاصل ہوں، سب کے ساتھ انصاف ہو، حکومت کوئی بھی ہو وہ تاناشاہی کے بارے میں کبھی سوچنے کی غلطی نہ کرسکے، شہریوں کو پریشان نہ کرے بلکہ لوگوں کو سہولت اور آسانی مہیا کرنے کی کوشش کرے۔ 'ایس آئی آر'، 'این آر سی' وغیرہ کی کارروائی سے عام لوگوں کی زندگی اجیرن نہ بنائی جائے۔ لہذا آپ بھی اٹھئے، اپنے گھروں سے نکلئے، لاکھوں نوجوانوں کی فکرمندی و انکی پکار کو سنئے اور حقیقی آزادی تک ایک بار پھر اس میں حتی الامکان اپنی حصے داری ادا کیجئے۔ کیونکہ بقول شاعر ملک کے ہر شہری کے دل کی آواز یہی ہے کہ

ہم قید میں ہیں اب بھی، پہرے بدل رہے ہیں
بس ظلم کرنے والے چہرے بدل رہے ہیں
اب تک ہماری چینخوں کی داستاں وہی ہے
ہم ان سنے ہیں اب بھی، بہرے بدل رہے ہیں

(مضمون نگار معروف صحافی اور سیاسی تجزیہ نگار ہیں)

sarfarazahmedqasmi@gmail.com

مجھے اسپین کی جیت سے زیادہ ارجنٹینا کی شکست پر خوشی ہوئی

اسلم خان محمد یونس
الدوحۃ–قطر

فیفا ورلڈ کپ ۲۰۲۶ کا فائنل مقابلہ ارجنٹائن بنام اسپین - پہلی بار کسی فٹبال میچ کا بے صبری سے انتظار کیا اور اسے انتہائی شوق کے ساتھ دیکھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے فٹبال کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم، اور نہ ہی کوئی خاص دلچسپی ہے۔ لیکن اس میچ کو دیکھنے کی ایک خاص وجہ تھی۔ بہت سے لوگ کہیں گے کہ فٹبال صرف ایک کھیل ہے، اس میں مذہب یا سیاست کو نہیں لانا چاہیے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں کھیل کو مذہب سے جوڑ رہا ہوں، لیکن میرے لیے یہ نہ مذہب کا معاملہ تھا اور نہ ہی صرف کھیل کا۔ یہ میرے جذبات کا معاملہ تھا، بلکہ میرا یقین ہے کہ دنیا کے کروڑوں لوگوں کے جذبات بھی اسی سے جڑے ہوئے تھے۔

میری اپنی رائے کے مطابق، جب اسرائیل کا وزیرِ اعظم بنجامین نیتن یاہو جو فلسطین کے بے گناہ لوگوں کا قاتل ہے ارجنٹینا کی حمایت کرتا نظر آتا ہے، تو میں بھی ہر اُس ملک کی حمایت کرتا ہوں جو اس کے مقابلے میں کھڑا ہو۔

اور میسی، جو کہ ایک ایسا کٹر زایونسٹ ہے جو اسرائیل کو فلسطینیوں کے خلاف نسل کشی میں فنڈ کرتا ہے۔

تو میں اسپین کی حمایت کیوں نہ کرتا؟ ۲۰۲۴ میں اسپین نے فلسطین کو بطور ریاست تسلیم کیا اور فلسطین کی آواز بنا۔

اسپین کے وزیرِ اعظم پیڈرو سانچیز نے یہ بھی کہا کہ جس طرح روس پر کھیلوں کے میدان میں پابندیاں عائد کی گئی ہیں، اسی طرح اسرائیل کے حوالے سے بھی ایسا ہونا چاہیے۔ میری نظر میں اُس وقت دنیا کے بیشتر رہنما خاموش تھے، جبکہ اسپین نے اپنی آواز بلند کی۔ پھر اس میچ میں ایک انیس سالہ نوجوان، لامین یامال، بھی تھا۔ ایک ایسا کھلاڑی جو ہر کامیابی کے بعد سجدۂ شکر ادا کرتا ہے اپنا ماتھا زمین پر رکھتا ہے۔ میری نظر میں یہی اس کی سب سے بڑی خوبصورتی ہے۔ فلسطین کے ساتھ اس کی اظہارِ یکجہتی نے بھی میرے جذبات کو مزید قریب کیا۔

رہی بات ارجنٹینا کی۔ مجھے لگا کہ فٹبال سے زیادہ وہ کشتی کھیل رہے تھے

سچ کہوں تو مجھے اسپین کی جیت سے زیادہ ارجنٹینا کی شکست پر خوشی ہوئی۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے مجھے لامین یامال کے سجدۂ شکر نے ضرور متاثر کیا، لیکن اس سے بھی بڑھ کر میرے لیے یہ بات اہم تھی کہ اسپین نے فلسطین کے حق میں آواز اٹھائی اور فلسطین کا پرچم لہرا کر، میری نظر میں، یہ پیغام دیا کہ وہ مظلوموں کے ساتھ کھڑا ہے۔

یہ صرف ایک فٹبال میچ نہیں تھا۔

یہ میرے احساسات، میرے نقطۂ نظر اور میرے ضمیر کی ترجمانی تھا۔

"ایک حدیث، ایک کہانی"

سچائی کی قیمت

مجید عارف نظام آبادی
ریاض' سعودی عرب
majeedaarif@gmail.com

ضلع کے معروف اقبال پبلک اسکول میں سالانہ تقریب جاری تھی۔ ہال طلبہ، والدین اور معزز مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔

اسکول کے پرنسپل نے مائیک سنبھالتے ہوئے کہا "آج ہم ایک ایسے طالب علم کو انعام دینے جارہے ہیں جس نے صرف امتحان میں اچھے نمبر حاصل نہیں کیے بلکہ اپنے کردار سے بھی ثابت کیا کہ اچھا انسان بننا سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

یہ اعلان سن کر سب کی نظریں حمزہ کی طرف اٹھ گئیں۔

چند ہفتے پہلے حمزہ کو اسکول کے باہر ایک پرس ملا تھا، جس میں پچاس ہزار روپے، اے ٹی ایم کارڈ اور ضروری کاغذات تھے۔ اس کے دوست نے کہا تھا "حمزہ! اتنی بڑی رقم ہے، کسی کو معلوم بھی نہیں ہوگا۔"

حمزہ نے فوراً جواب دیا "اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں امانت واپس کرنے کی تعلیم دی ہے۔"

کافی تلاش کے بعد وہ پرس ایک ریٹائرڈ استاد تک پہنچ گیا، جو اپنی بیٹی کی کالج فیس جمع کرانے جارہے تھے۔ پرس ملنے پر استاد کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔

اس واقعے کی خبر مقامی اخبارات میں بھی شائع ہوئی، جس کے بعد اسکول نے حمزہ کو "ایمانداری اور بہترین کردار" کا خصوصی اعزاز دینے کا فیصلہ کیا۔

اس تقریب کے مہمانِ خصوصی معروف صنعتی ادارے رحمان انجینئرنگ پرائیویٹ لمیٹڈ کے چیئرمین حاجی عبدالرحمن صاحب تھے۔ انہوں نے حمزہ کو انعام دیتے ہوئے کہا "بیٹے! ڈگریاں بہت سے لوگوں کے پاس ہوتی ہیں، لیکن دیانت داری بہت کم لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ ایسے نوجوان ہی قوم کا سرمایہ ہیں۔"

حمزہ نے شکریہ ادا کیا، مگر اس کے دل میں یہ بات ہمیشہ کے لیے نقش ہوگئی۔

چند سال بعد حمزہ نے انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کی اور ملازمت کی تلاش شروع کی۔ اتفاق سے اسے انٹرویو کے لیے اسی کمپنی، رحمان انجینئرنگ پرائیویٹ لمیٹڈ، سے کال آئی۔

انٹرویو کے دوران جب کمپنی کے چیئرمین حاجی عبدالرحمن صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو وہ فوراً حمزہ کو پہچان گئے۔

وہ مسکراتے ہوئے بولے "کیا تم وہی حمزہ ہو جس نے چند سال پہلے امانت واپس کرکے اسکول میں انعام حاصل کیا تھا؟"

حمزہ نے ادب سے جواب دیا
"جی سر، اللہ کا کرم ہے۔"

چیئرمین نے دوسرے افسران سے کہا "ہمیں صرف قابل انجینئر نہیں بلکہ قابلِ اعتماد انسان بھی چاہیے۔ جس لڑکے نے طالب علمی میں امانت کی حفاظت کی، وہ ہماری کمپنی کی بھی امانت کی حفاظت کرے گا۔"

حمزہ کا تقرر ہوگیا۔ اپنی محنت، دیانت داری اور خوش اخلاقی کی بدولت وہ چند ہی برسوں میں کمپنی کے اہم افسران میں شمار ہونے لگا۔

اس روز اسے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی محنت اور دیانت کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

بچو! سچائی اور امانت داری کا فائدہ فوراً نظر آئے یا کچھ سال بعد، لیکن اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے۔ اچھا کردار انسان کے لیے وہ سرمایہ ہے جو زندگی بھر کامیابی کے دروازے کھولتا رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

"إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدِّيقًا..."

ترجمہ: "بے شک سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، اور آدمی مسلسل سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے..."

(صحیح البخاری)

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

بھوک کا مقدمہ، اقتدار کی عدالت میں!!

شرف الدین سید
۹۳۴۲۵۲۲۳۴۶

"تاریخ میں بعض مقدمات عدالتوں میں نہیں، انسان کے ضمیر میں سنے جاتے ہیں۔"

ریاست کے پاس آئین ہوتا ہے، قانون ہوتا ہے، پارلیمنٹ، عدالتیں، پولیس، فوج اور بے شمار اختیارات ہوتے ہیں۔ لیکن ایک طاقت ایسی بھی ہے جس کے سامنے کبھی کبھی یہ سارے وسائل بھی بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ وہ طاقت کسی ہتھیار، کسی لشکر یا کسی انقلاب کی نہیں، بلکہ ایک ایسے انسان کی ہوتی ہے جو اپنے جسم کو ہی احتجاج کی آخری دلیل بنا لیتا ہے۔ یہی بھوک ہڑتال ہے۔ بظاہر یہ ایک شخص کا اپنے آپ کو تکلیف دینا ہے، مگر حقیقت میں یہ اقتدار کے ضمیر کو مخاطب کرنے کا ایک اخلاقی مقدمہ ہے۔ اس میں نہ دوسروں کا خون بہایا جاتا ہے، نہ املاک جلائی جاتی ہیں، نہ قانون کو چیلنج کیا جاتا ہے۔ صرف ایک سوال ریاست کے سامنے رکھا جاتا ہے: "کیا تم اب بھی سننے کی صلاحیت رکھتے ہو؟"

مہاتما گاندھی نے ہندوستان کو صرف سیاسی آزادی کا راستہ نہیں دکھایا، بلکہ سیاست کی ایک اخلاقی زبان بھی عطا کی۔ ان کے نزدیک بھوک ہڑتال کسی کو بلیک میل کرنے کا ذریعہ نہیں تھی، بلکہ خود احتسابی اور اجتماعی ضمیر کو بیدار کرنے کی ایک آخری کوشش تھی۔ اسی لیے انہوں نے بارہا کہا کہ عدم تشدد کمزور کا ہتھیار نہیں، بلکہ اخلاقی جرات کا بلند ترین اظہار ہے۔ آزادی کے بعد بھی ہندوستان نے اس روایت کو کئی بار زندہ ہوتے دیکھا۔ پوتی سری راملو نے لسانی بنیادوں پر ریاست کی تشکیل کے مطالبے کے لیے جان دے دی۔ ارم شرمیلا نے سولہ برس تک مسلسل بھوک ہڑتال کرکے یہ ثابت کیا کہ ایک کمزور دکھائی دینے والا انسان بھی ریاست سے بڑے سوال پوچھ سکتا ہے۔ ان تحریکوں کے نتائج پر اختلاف ہو سکتا ہے، مگر ان کی اخلاقی معنویت سے انکار ممکن نہیں۔

آج ایک بار پھر یہی سوال ہمارے سامنے ہے۔ لداخ کے انجینئر، ماہرِ تعلیم، ماحولیات کے علمبردار اور رامن میگسیسے ایوارڈ یافتہ سونم وانگ چک اپنی بھوک کے ذریعے حکومت کی توجہ ایک عوامی مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ ان کے مطالبات سے اتفاق یا اختلاف ہر شہری کا حق ہے، لیکن ایک بات پر اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ جب کوئی شہری اپنی جان کو داؤ پر لگا دے تو حکومت کی پہلی ذمہ داری خاموش رہنا نہیں بلکہ مکالمہ کرنا ہوتی ہے۔ جمہوریت صرف اکثریت کا نام نہیں، بلکہ اختلاف کو سننے کے سلیقے کا نام بھی ہے۔ اگر اقتدار صرف ان آوازوں کو سنے جو اس کی تعریف کریں اور ان آوازوں سے منہ موڑ لے جو سوال پوچھتی ہیں، تو جمہوریت اپنی روح کھونے لگتی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے عہد میں احتجاج کا جواب دلیل سے کم اور پروپیگنڈے سے زیادہ دیا جانے لگا ہے۔ مطالبات پر گفتگو کرنے کے بجائے احتجاج کرنے والے کی نیت پر بحث شروع کر دی جاتی ہے۔ سوشل میڈیا کردار کشی کا میدان بن جاتا ہے اور اصل سوال کہیں پس منظر میں گم ہو جاتا ہے۔ اس رویے سے وقتی سیاسی فائدہ تو شاید حاصل ہو جائے، لیکن جمہوری معاشرے کا اخلاقی سرمایہ کمزور ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ ہمیں ایک مختلف روایت بھی یاد دلاتی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں ریلوے کے ایک حادثے کے بعد ریلوے وزیر لال بہادر شاستری نے یہ کہہ کر استعفیٰ پیش کیا کہ اگرچہ حادثہ ان کے ہاتھوں نہیں ہوا، لیکن اس کی اخلاقی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ یہی وہ سیاست تھی جس میں منصب سے زیادہ وقار، اور اقتدار سے زیادہ جواب دہی کی اہمیت تھی۔ اسی طرح پونا معاہدے کے موقع پر مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کے درمیان اختلاف اپنی انتہا پر تھا۔ مگر دونوں نے بالآخر ایسا راستہ اختیار کیا جس میں اختلاف باقی رہا، لیکن انسانیت شکست نہ کھائے۔ تاریخ نے اسی رویے کو عزت بخشی۔

آج بھی سوال کسی ایک وزیر، کسی ایک حکومت یا کسی ایک تحریک کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم اخلاقی جواب دہی کی اس روایت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایک مذاکراتی وفد، ایک سنجیدہ ملاقات، یا کوئی ذمہ دارانہ سیاسی قدم ایک انسان کی جان بچا سکتا ہے تو اسے کمزوری نہیں، جمہوریت کی پختگی سمجھنا چاہیے۔ اور سونم وانگ چک سے بھی ایک مخلصانہ گزارش ہے کہ زندگی ہر جدوجہد کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ زندہ انسان تحریکوں کو آگے بڑھاتے ہیں، جبکہ موت اکثر سوال تو چھوڑ جاتی ہے مگر جواب تلاش کرنے والوں کی تعداد کم کر دیتی ہے۔ اگر مطالبات فوری طور پر پورے نہ بھی ہوں، تب بھی جدوجہد کے آئینی اور جمہوری راستے بند نہیں ہوتے۔

آخرکار، اقتدار کا اصل امتحان اپنے مخالف کو خاموش کر دینا نہیں، بلکہ اس کی آواز سننے کا حوصلہ پیدا کرنا ہے۔

بھوک کا مقدمہ، اقتدار کی عدالت میں ضرور پیش ہوتا ہے، مگر اس کا آخری فیصلہ ہمیشہ تاریخ کی عدالت سناتی ہے۔ وہاں نہ اکثریت کام آتی ہے، نہ طاقت، نہ عہدے؛ وہاں صرف یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب ایک انسان اپنی جان بچانے کی امید لیے تمہارے دروازے پر کھڑا تھا، تب تم نے اپنے اقتدار کو بڑا سمجھا تھا یا اپنی انسانیت کو؟

علمائے سو کی بے راہ روی اور معاشرے کی تباہی

اللہ رب العزت نے اس کائنات رنگ و بو کو ہزاروں مخلوقات کی رہائش اور بود و باش کے لیے تخلیق فرمایا، اور اس کے بعد اشرف المخلوقات یعنی انسان کو تمام مخلوقات پر عزت و تکریم سے نوازا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ"
"اور ہم نے بنی آدم کو یقیناً عزت و تکریم عطا فرمائی"۔ (سورۃ الاسراء: ۷۰)

پھر انسانوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے درجات کو بلند کیا؛ انبیاء، صحابہ، تابعین، اولیاء، صلحاء اور علماء کو علم و تقویٰ کی بنیاد پر خاص مقام و مرتبے سے سرفراز فرمایا۔ تمام انبیاءِ کرام علیہ السلام نے فریضۂ رسالت کو احسن طریقے سے نبھایا۔ ختمِ نبوت کے بعد انبیاء کے اس عظیم الشان مشن یعنی دین کی حفاظت، اشاعت اور اصلاحِ امت کی ذمہ داری علماء کے کندھوں پر آئی، کیوں کہ حدیثِ پاک میں ارشاد ہے:
"إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ"
"بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں"۔ (سنن ابی داؤد: ۳۶۴۱)

تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ، تابعین، اولیاء اور علماءِ حق نے اس ذمہ داری کو اپنے خون اور تقویٰ سے نبھایا۔ فی زمانہ بھی سچے اور باعمل علماءِ حق اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اور آج دنیا بھر میں اسلام کی جو چمک دمک، روایتی رونق اور دینی بیداری نظر آتی ہے، وہ انہی علماءِ حق کے اخلاص اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

تاریخی تناظر اور فتنوں کا تسلسل

ہر دور میں اسلام اور اہلِ حق کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ کبھی ابلیسِ لعین، فرعون، نمرود، ابو جہل اور یزید کی شکل میں، تو کبھی باطل افکار، گمراہ کن تحریکوں اور فتنہ پرور ذہنیتوں کی صورت میں۔ ہر دور کے فتنہ پروروں نے اسلام کی عالمگیر پیش رفت کو سست کرنے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی ناپاک سازشیں کیں۔

عصرِ حاضر میں بھی وہی فتنہ پرور ذہنیت مختلف شکلوں میں ابھر کر سامنے آ رہی ہے، جو علماءِ حق کے کاموں میں رکاوٹ بنتی ہے اور معاشرے میں بگاڑ کا سبب بن رہی ہے۔ یہ صورتِ حال دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کا مظہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ، يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ"۔
"آخری زمانے میں ایسے دجال اور جھوٹے لوگ ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی (من گھڑت) باتیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ پس اپنے آپ کو ان سے دور رکھنا، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں"۔ (صحیح مسلم: مقدمہ)

عصرِ حاضر میں علمائے سو اور ان کی بے راہ روی

آج جب ہم اپنے معاشرے کا عمیق جائزہ لیتے ہیں تو یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دینی و اخلاقی تنزلی اور دینی بیزاری کا ایک بڑا سبب وہ "علمائے سو" (برے علماء) ہیں جن کا مقصد دین کی خدمت کے بجائے ذاتی مفاد، شہرت اور فرقہ وارانہ منافرت کا فروغ بن چکا ہے۔

قرآنِ کریم میں علمائے سو کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا:
"فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ"
"پس اس کی مثال کتے کی سی ہے، اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تب بھی زبان نکالے رہے"۔ (سورۃ الاعراف: ۱۷۶)

آج معاشرے میں جو بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، اس کی چند بنیادی وجوہات یہ ہیں:

دینی ممبر و محراب کی بے حرمتی:
منبر و محراب جو ہدایت و تربیت کا مرکز تھے، آج نااہل خطباء اور شہرت کے جاہل طالب بعض مقامات پر اکھاڑہ اور مسخرہ گاہ بن چکے ہیں جہاں علم، اخلاق اور حکمت کے بجائے نعرے بازی اور سستی شہرت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

علماءِ حق کی توہین:
آئے دن جلیل القدر علماء اور سلف صالحین کی تحقیر و تذلیل کرکے عوام میں بدگمانی پھیلاتے ہیں۔

تعصب اور نااہلوں کی فتویٰ نویسی:
علم و تقویٰ سے آراستہ نہ ہونے والے افراد محض اپنے تعصب، انا اور ذاتی پسند و ناپسند کی بنیاد پر تکفیر اور گمراہی کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں، جس سے امت میں انتشار پھیلتا ہے۔

جہالت اور پیر پرستی کی سرپرستی:
ذات برادری کے تعصبات، جاہل پیروں کی غنڈہ گردی اور توہم پرستی کو دینی غلاف پہنا کر عوام کو گمراہی کی دلدل میں دھکیلا جا رہا ہے۔

معاشرے اور عوام پر پڑنے والے مضر اثرات

اس فتنہ پروری کا سب سے دردناک نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ عوامِ الناس دینی تعلیمات اور علماء دونوں سے دور ہو رہے ہیں۔

جب عوام علماء کے رویوں میں تضاد، لغو گفتگو اور آمیزش دیکھتے ہیں، تو ان کے دلوں سے دین کی عظمت اور احترام کم ہونے لگتا ہے۔

علمائے سو کی فتنہ پروری کی وجہ سے سچے اور مخلص علماء کی بااثر اور اصلاحی باتیں بھی لوگ سنجیدگی سے نہیں سنتے۔

ہماری نئی نسل جو منطق اور عمل کی تلاش میں ہے، جب دینی اسٹیجوں پر علمی گفتگو کے بجائے تفریح اور جھگڑے دیکھتی ہے تو وہ الحاد اور مادیت پرستی کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔

حدیثِ پاک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا... ان کے علماء آسمان کے نیچے کے بدترین لوگ ہوں گے، انہی سے فتنہ اٹھے گا اور انہی میں لوٹ جائے گا"۔
(بیہقی، شعب الایمان: ۱۹۰۸)

اصلاحی اقدامات اور وقت کی ضرورت

اگر اس سیلابِ بلا کو بروقت نہ روکا گیا، تو بے لگام خطباء، غیر ذمہ دار نقباء اور فتنہ پرور عناصر اسلام کے تقدس اور اس کے روزِ روشن جیسے شفاف تشخص کو دنیا کے سامنے مجروح کر دیں گے، جس سے دعوتی اور اشاعتی دروازے بند ہو جائیں گے۔

اس اہم موڑ پر ملکی و ملی سطح پر مندرجہ ذیل اقدامات کی اشد ضرورت ہے:

ملت کے سنجیدہ علماء، فقہاء اور مفکرین کو متحد ہو کر ان فتنہ پرور عناصر کا علمی و عملی محاصرہ کرنا ہو گا۔

دینی اجلاس اور جمعہ کے خطبات کے لیے علمی معیار قائم کیا جائے، اور غیر مستند و غیر ذمہ دار خطباء پر پابندی لگائی جائے۔

فتویٰ نویسی کو صرف صاحبِ صلاحیت، متقی اور جامعہ کے مستند مفتیانِ کرام تک محدود رکھا جائے تاکہ تکفیری اور فتنہ انگیز فتاویٰ کا سدِ باب ہو سکے۔

عوام کو یہ شعور دیا جائے کہ وہ دین کو مسخرہ بنانے والے خطباء کے بجائے صاحبِ علم، باعمل اور بااخلاق علماء کی صحبت اختیار کریں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ علمائے حق امت کا سرمایہ ہیں اور علمائے سو امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ۔ اگر ہم اپنے معاشرے کو تباہی سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں سچے اور باعمل علماء کی سرپرستی میں آکر اصلاحِ احوال کی جدوجہد کرنی ہو گی۔

اخیر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے تمام علماء، فضلاء اور دانشورانِ ملت کو عقلِ سلیم، بصیرتِ تامہ اور حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پروردگارِ عالم ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو علمائے سو اور ہر قسم کے داخلی و خارجی فتنوں سے محفوظ فرمائے، اور علماءِ حق کے فیض کو تا قیامت جاری و ساری رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

از قلم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی
نائب ایڈیٹر: نیپال اردو ٹائمز
بنوٹا، مہوتری، نیپال

۷/صفر المظفر ۱۴۴۸ھ
۲۳/۰۷/۲۰۲۶ بروز جمعرات

ڈاکٹر۔ سید سلطان معین الدین حسینی بحیثیت ادیب و محقق

ڈاکٹر۔ نجم النساء ناز،
اردو لکچرر، یوگی ویمنا یونیورسٹی۔ کڑپہ، آندھرا پردیش

آندھرا پردیش ہندوستان کی ایک ریاست ہے جس میں تلگو بولنے والے عوام کی اکثریت ہے۔ آندھرا پردیش کو پہلے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تلنگانہ، آندھرا، اور رائل سیما۔ حال ہی میں آندھرا پردیش کو دو ریاستوں میں بانٹ دئے۔ ایک آندھر پردیش دوسری تلنگانہ ریاست۔ اب آندھرا پردیش کے دو علاقے ہیں آندھرا اور رائل سیما۔

رائل سیما میں چار اضلاع موجود ہیں ۔ کڑپہ، کرنول، چتور اور اننت پور۔ رائل سیما کی سر زمین میں اردو ادیبوں، شاعروں اور محققوں کی کمی نہیں ہے ۔ڈاکٹر۔ سید سلطان معین الدین حسینی ادبی دنیا میں اپنا ایک اہم مقام بنا لیا۔ ان کا تعلق ضلع کرنول سے ہے۔ وہ ۳۰ اگست ۱۹۶۸ کو کرنول میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید عطاءاللہ حسینی اور والدہ کا نام سید محمود بی تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم پہلی جماعت سے لیکر دسویں جماعت تک کرنول گورنمنٹ ہائی اسکول میں ہوئی۔ ٹی۔ ٹی۔ سی گلبرگہ سے مکمل کیا اور بی۔ اے کی تعلیم اسلامیہ عربی ڈگری کالج کرنول سے حاصل کی۔ ایم۔ اے اردو گلبرگہ یونیورسٹی سے کرنے کے بعد ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی سے مکمل کیا۔ انھوں نے کئی ادبی و تدریسی خدمات انجام دئے۔ ۱۹۹۸ سے ۲۰۰۳ تک بھارت انگریزی میڈیم اسکول کرنول میں ملازمت کی۔ اس کے بعد انھوں نے ۲۰۰۳ سے ۲۰۱۶ تک اسلامیہ عربی ڈگری کالج کرنول میں بحیثیت استاد درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ اور ۲۰۱۶ سے اب تک یعنی (۲۰۲۵) عبد الحق یونیورسٹی میں اردو لیکچرر کی حیثیت سے کام انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی ادبی کاوشیں لاجواب ہیں۔ ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۶ تک مانو اسٹڈی سنٹر میں درسی خدمات انجام دئے۔ ڈاکٹر۔ سید سلطان معین الدین حسینی کے نگرانی میں تین ایم۔ فل۔ کے مقالے مکمل ہوئے۔ آپ نے اب تک مختلف پندرہ سمیناروں اور کانفرنسوں میں حصہ لیا۔ ورکشاپ اور ریفریشر کورس بھی مکمل کئے۔ اسلامیہ عربی ڈگری کالج میں بحیثیت لیکچرر تیرہ سال تک رہے۔ فل الحال ڈاکٹر۔ عبد الحق اردو یونیورسٹی کرنول میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ آپ کی پانچ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ عرفان لطیف۔ ۱۹۹۹

۲۔ رائل سیما میں اردو شعر و ادب آزادی کے بعد۔ ۲۰۱۵

۳۔ اثاثہ عرفان کا تنقیدی جائزہ۔ ۲۰۱۶

۴۔ رائل سیما کے منتخب شعرائے۔ ۲۰۱۷

۵۔ رائل سیما میں اردو تحقیق۔ ۲۰۱۸

ڈاکٹر سلطان معین الدین حسینی صاحب نے ان کتابوں میں رائل سیما میں اردو تحقیق کس طرح شروع ہوئی اور تروپتی سری وینکٹیشورا یونیورسٹی میں شعبہ اردو شعبہ کس نے قائم کیا اور یہ آگے چل کر آندھرا پردیش کا یہ تحقیقی مرکز کس طرح بنا۔ اس کی بہترین تحقیق پیش کی ہے۔ اس وقت سری وینکٹیشورا یونیورسٹی تروپتی میں شعبہ اردو کس طرح قائم ہوا۔ اور اس کے پہلے پہل صدر شعبہ اردو حافظ سید رضی الدین احمد تھے جو جامیہ ملیہ نئی دہلی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فارغین میں سے تھے۔ یہ میرٹھ، یوپی کے متوطن تھے۔ جب افضل العلماء ڈاکٹر عبد الحق علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنے تو انھوں نے ڈاکٹر رضی الدین کو جنوبی ہندوستان میں کام کرنے کی ترغیب دی اس طرح ڈاکٹر رضی الدین صاحب یس۔ وی۔ یونیورسٹی (تروپتی) سے وابستہ ہوئے۔ اور اردو کے پہلے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے دو اسکالرس انت پور کے عبد الاحد اور کرنول کے محمد عبد الرزاق فاروقی تھے۔ اس کے بعد سلطان معین الدین صاحب نے اپنی کتابوں میں یس۔ وی۔ یونیورسٹی کے تحقیقی مقالوں کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ آپ کو آندھرا پردیش اردو اکیڈمی کی جانب سے ۲۰۲۲ میں اردو بیسٹ ٹیچر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اور ۲۰۲۳ میں ٹیچر اسوسیشن (اپوٹا) کی جانب سے بیسٹ ٹیچر ایوارڈ دیا گیا۔

پروفیسر۔ سلیمان اطہر جاوید لکھتے ہیں:-

" مجھے خوشی ہے کہ سید سلطان معین الدین حسینی نے حضرت کی شاعری کا بطور خاص جائزہ لیا اور اس کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرکے حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی سے ایم۔ فل کی ڈگری حاصل کی۔ اس طرح یہ شعری سرمایہ جواب تک زیادہ تر ایک حلقہ میں سرمہ نظر کی حیثیت رکھتا تھا اب عام ادبی حلقوں میں بھی اس کی پذیرائی ہوئی۔"(۱)

پروفیسر۔ انوار الدین (ایچ۔ سی۔ یو)، حسینی صاحب کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں؛

"ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی نے اپنے تحقیقی مقالہ می: آزادی کے بعد رائل سیما میں اردو تحقیق: کو شائع کرنے کا بیڑہ اٹھا یا ہے اور اب اس مقالے کو کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں ان کا یہ کام نہ صرف اہلیان رائل سیما میں بلکہ اردو دنیا میں تحقیق پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب درس و تدریس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تصنیف و تالیف کے کام میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ ان کی یہ کتاب رائل سیما میں اردو تحقیق اجمالی تعارف پر مبنی وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ایک گراں قدر کام ہے۔۔ انھوں نے ہر مقالے کے تعارف کے ساتھ ساتھ مقالہ نگار کا ادبی مقام اور اس کام کی اہمیت کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔"(۲)

پروفیسر۔ ستار ساحر (سابق صدر شعبہ اردو ،یس۔ وی۔ یونیورسٹی تروپتی، رجسٹرار ڈاکٹر۔ عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول) صاحب ڈاکٹر۔ سلطان معین الدین حسینی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"موصوف کا ادبی ذوق شستہ اور نکھرا ہوا ہے اور مطالعہ بھی وسیع ہے۔ وہ اردو ادب کی تمام اصناف پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ صرف پڑھانے کا ہی نہیں پڑھنے کا بھی شوق رکھتے ہیں جو ایک اچھے اسچے استاد کی نشانی ہے چونکہ شہر کرنول صدیوں سے اردو زبان اور شعر و ادب کا مرکز رہا ہے اس لئے بھی ڈاکٹر معین الدین کو ادبی ماحول ورثہ میں ملا۔ موصوف نے بچپن سے آس پاس ادیبوں وشاعروں کو اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے دیکھا ہے ان سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ نیز مشائخ خاندان کی صالح روایتوں کا پاس و لحاظ اور متصوفانہ فضا سب ان کی ذہنی تربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ساز گار ماحول کے ساتھ ساتھ ذہنی جھکاؤ لازمی ہے۔ اور صلاحتیں بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ ادبی دنیا میں اپنا مقام بنانے کی خواہش کی تکمیل نے ڈاکٹر صاحب کو تصنیف و تالیف کی راہ پر گامزن کیا۔ اس سے قبل موصوف کی کچھ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر ادبی حلقوں میں پزیرائی حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔"(۳) سید سلطان معین الدین حسینی صاحب ایک اچھے، محنتی اور تحقیق کار بھی ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ دھن کے پکے ہیں کسی کام کو کرنے کا ٹھان لیا تو مکمل کرکے ہی دم لیتے ہیں، ادھورا نہیں چھوڑتے۔

ڈاکٹر۔ وحید پاشاہ کوثر یوں رقم طراز ہیں:

ڈاکٹر سید سلطان معین الدین حسینی کو میں قریب سے جانتا ہوں۔ ان کے حصول تعلیم کا زمانہ ہو کہ ان کی ملازمت کا دور۔ وہ ایک محنتی طالب علم اور اپنے پیشے سے انصاف کرنے والے استاد ہوئے ہیں۔ وہ دھن کے پکے اور اپنے کام میں منہمک رہنے والی شخصیت ہیں۔ علم و ادب سے ان کی دلچسپی ان کا توارث ہے۔ پوسٹ گریجویشن کے بعد انھوں نے تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے ایم۔ فل کا ارادہ فرمایا جس کے لئے انھوں نے اپنے ہی شہر کرنول کے مشہور و معروف، معتبر و معزز شخصیت حضرت سید شاہ لطیف بادشاہ قادری الحیدری لا ابالی لطیف کی حیات اور شاعری کو موضوع بنایا۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید صاحب کی نگرانی میں اس کام کی تکمیل پائی۔ یہ مقالہ پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ جس کی علمی و ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی۔ یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے جو شاعر کا عہد، حالات، شاعری کا تنقیدی جائزہ غیر مطبوعہ کلام اور ہم عصروں کے تاثرات سے ہے۔ ہر بات اپنی جگہ مکمل اور عنوان کا حق ادا کرتا ہے۔"(۴)

سلطان معین الدین صاحب کی کتابوں کا مختصر جائزہ پیش کرتی ہوں۔ "رائل سیما میں اردو شعر و ادب آزادی کے بعد" یہ تصنیف 2015 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انھوں نے رائل سیما کے مختلف شعراء و ادبا کی حالات زندگی اور ان کے فن پر تحقیق کی ہے۔ اس میں انھوں نے تقریبا ۴۵ نامور ہستیوں کی زندگی اور ان کے فن کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے نمونہ کلام کو بھی پیش کیا ہے۔ "اثاثہ عرفان کا تنقیدی جائز" یہ کتاب ۲۰۱۶ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انھوں نے حضرت سید شاہ لطیف بادشاہ قادری الحیدری لا ابالی کی حیات اور شاعرانہ زندگی، ان کے ہم عصروں کے تاثرات اور ان کے غیر مطبوعہ کلام کو تحریر کیا ہے۔ یہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کی تیسری کتاب " رائل سیما میں اردو تحقیق " ۲۰۱۸ میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں سلطان معین الدین صاحب کے مختلف مضامین کے ساتھ آزادی کے بعد کے شعراء و ادبا اور محققین پر مشتمل ایک مخصوص تاریخ ملتی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے رائل سیما کے پہلے محققین، رائل سیما کا اول اردو شعبہ سری وینکٹیشورا یونیورسٹی (تروپتی) میں قائم ہوا، اور اس ادارے کے اولین محققین کا تفصیلی جائزہ پیش کیا

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

تعلیم: شاندار مستقبل کی ضامن

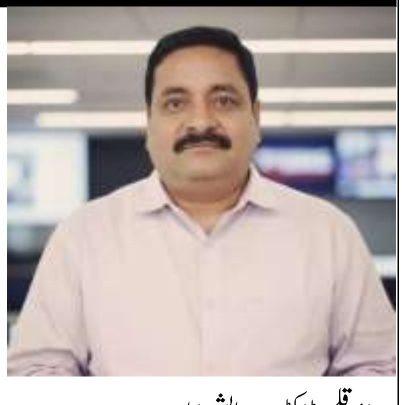

از قلم: ڈاکٹر سید تابش امام

کسی بھی قوم کی ترقی، خوش حالی اور تہذیبی ارتقا کا راز اگر کسی ایک لفظ میں پوشیدہ ہے تو وہ لفظ "تعلیم" ہے۔ تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو پوری وضاحت کے ساتھ آشکار کرتا ہے کہ دنیا میں وہی قومیں عزت، وقار، خود اعتمادی اور قیادت کے منصب پر فائز ہوئیں جنہوں نے علم کو اپنا شعار اور تعلیم کو اپنی اولین ترجیح بنایا۔ جن معاشروں میں قلم کی روشنی نے دل و دماغ کو منور کیا، وہاں تہذیب نے فروغ پایا، معیشت نے استحکام حاصل کیا، انصاف مضبوط ہوا اور ترقی نے اپنے قدم جمائے۔ اس کے برعکس جن قوموں نے علم سے بے اعتنائی برتی، وہاں جہالت، غربت، بے روزگاری، سماجی انتشار اور فکری پسماندگی نے مستقل ڈیرے ڈال لیے۔ اس لیے یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ تعلیم محض روزگار حاصل کرنے یا ڈگری لینے کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک باوقار، مہذب اور مضبوط معاشرے کی بنیاد ہے۔

اسلام نے جس غیر معمولی انداز میں علم کی عظمت کو اجاگر کیا ہے، اس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے مذہب یا نظامِ فکر میں کم ہی ملتی ہے۔ قرآنِ کریم کی پہلی وحی ہی "اقرأ" یعنی "پڑھیے" کے حکم سے نازل ہوئی۔ گویا اسلام کا آغاز ہی علم، تحقیق اور شعور کے پیغام سے ہوا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے علم کے حصول کو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض قرار دیا اور امت کو یہ سبق دیا کہ علم کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اگر حصولِ علم کے لیے دور دراز علاقوں کا سفر بھی کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اس تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی سے منور کرے۔

علم وہ چراغ ہے جو انسان کو حق و باطل، خیر و شر، انصاف و ناانصافی اور سچ و جھوٹ میں فرق کرنا سکھاتا ہے۔ یہی علم انسان کی شخصیت کو سنوارتا، کردار کو نکھارتا اور اسے معاشرے کا ذمہ دار شہری بناتا ہے۔ تعلیم یافتہ فرد صرف اپنی زندگی نہیں بدلتا بلکہ اپنے خاندان، اپنے معاشرے اور اپنی قوم کے مستقبل کو بھی روشن کرتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی قوم کو ترقی یافتہ بنانا ہو تو اس کے تعلیمی نظام کو مضبوط بنائیے، کیونکہ مضبوط تعلیمی نظام ہی مضبوط قوم کی ضمانت ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بغداد، قرطبہ، دمشق، قاہرہ اور دہلی جیسے علمی مراکز دنیا بھر کے طلبہ اور محققین کی منزل تھے۔ مسلمان سائنس، طب، ریاضی، فلکیات، فلسفہ، ادب اور فنون میں دنیا کی رہنمائی کرتے تھے۔ ابنِ سینا، البیرونی، ابنِ رشد، الخوارزمی اور جابر بن حیان جیسے عظیم علما نے انسانی تہذیب کو ایسا علمی سرمایہ عطا کیا جس سے آج بھی دنیا استفادہ کر رہی ہے۔ لیکن جب ہم نے علم سے اپنا رشتہ کمزور کیا تو ہمارا زوال شروع ہو گیا اور قیادت دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ یہ تاریخ کا ایسا سبق ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

آج اکیسویں صدی علم، تحقیق، اختراع، مصنوعی ذہانت اور جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ترقی کی رفتار پہلے سے کہیں زیادہ تیز ہو چکی ہے۔ وہی قومیں آگے بڑھ رہی ہیں جو اپنے تعلیمی اداروں، تحقیقی مراکز اور نوجوان نسل پر سرمایہ کاری کر رہی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم بھی تعلیم کو صرف ملازمت کے حصول کا ذریعہ نہ سمجھیں بلکہ اسے قومی تعمیر، سماجی اصلاح اور معاشی خود کفالت کی بنیاد تصور کریں۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں آج بھی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایسے بچے موجود ہیں جو غربت، وسائل کی کمی، سماجی بے حسی یا والدین کی ناواقفیت کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ محرومی صرف ان بچوں کی نہیں بلکہ پوری قوم کی محرومی ہے، کیونکہ انہی بچوں میں مستقبل کے ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، استاد، جج، منتظم اور دانش ور پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اگر انہیں مناسب مواقع، معیاری تعلیم اور صحیح رہنمائی میسر آ جائے تو وہ نہ صرف اپنی تقدیر بدل سکتے ہیں بلکہ پورے معاشرے کی تقدیر بھی سنوار سکتے ہیں۔

یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ غربت صلاحیتوں کی دشمن ضرور ہے، لیکن کامیابی کی راہ میں ناقابلِ عبور رکاوٹ نہیں۔ دنیا کی بے شمار عظیم شخصیات نے انتہائی معمولی حالات سے اپنی زندگی کا آغاز کیا اور تعلیم، محنت اور استقامت کے ذریعے تاریخ رقم کی۔ ہمارے ملک میں بھی ایسے بے شمار نوجوان موجود ہیں جنہوں نے مالی مشکلات کے باوجود اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور آج ملک و قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس لیے وسائل کی کمی کو کبھی مایوسی کا سبب نہیں بنانا چاہیے۔

خوش آئند حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے لیے مختلف اسکالرشپ، تعلیمی قرض (ایجوکیشن لون)، ہاسٹل کی سہولتیں اور متعدد فلاحی منصوبے چلائے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ملی، سماجی اور رفاہی ادارے بھی مستحق طلبہ کو وظائف، کتابیں، کوچنگ اور مالی امداد فراہم کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ کسی جھجھک، احساسِ کمتری یا بے جا انا کا شکار ہوئے بغیر اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے ان سہولتوں سے استفادہ کریں۔

خصوصاً مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں ایک نئی بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور مقابلے کا دور ہے۔ سرکاری ملازمتیں ہوں، سول سروسز، طب، انجینئرنگ، عدلیہ، صحافت، تحقیق یا صنعت و تجارت، ہر جگہ کامیابی انہی لوگوں کے قدم چومتی ہے جو معیاری تعلیم، مسلسل محنت اور مضبوط عزم کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ ہماری نئی نسل کو بھی جدید علوم، انفارمیشن ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت، تحقیق اور مقابلہ جاتی امتحانات کی طرف پوری توجہ دینی ہو گی۔ قوموں کی ترقی صرف نعروں سے نہیں بلکہ کتابوں، تجربہ گاہوں، لائبریریوں اور تحقیقی اداروں سے ہوتی ہے۔

والدین کی ذمہ داری صرف بچوں کو اسکول بھیجنے تک محدود نہیں۔ ان میں مطالعے کی عادت، اخلاقی اقدار، وقت کی پابندی، دیانت داری، برداشت اور محنت کا جذبہ پیدا کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ ایک ایسا گھر جہاں کتابوں کا احترام ہو، تعلیم کی قدر ہو اور سیکھنے کا ماحول میسر ہو، وہاں سے نکلنے والی نسلیں یقیناً معاشرے کا قیمتی سرمایہ ثابت ہوتی ہیں۔

تعلیم کا فروغ صرف حکومت یا تعلیمی اداروں کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ پورے معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اساتذہ، والدین، سماجی تنظیمیں، رفاہی ادارے، اہلِ ثروت افراد اور صاحبِ حیثیت شہری اگر اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کریں تو ملک سے ناخواندگی اور تعلیمی پسماندگی کا خاتمہ کوئی ناممکن کام نہیں۔ ایک قوم اسی وقت حقیقی ترقی کی منزل طے کرتی ہے جب اس کا ہر فرد تعلیم کی اہمیت کو اپنی ذاتی ذمہ داری سمجھنے لگے۔

یہ بھی ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے کہ تعلیم کو ہر بچے کی دسترس تک پہنچائیں۔ اگر معاشرے کا ہر صاحبِ استطاعت فرد صرف ایک مستحق بچے کی تعلیم کا بوجھ اپنے کندھوں پر لے لے تو شاید کوئی بھی باصلاحیت بچہ غربت کی وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہے۔ یہی حقیقی سماجی خدمت، بہترین صدقۂ جاریہ اور قوم کی تعمیر کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

اس مضمون کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ تعلیم کی شمع ہر گھر تک پہنچے، خصوصاً ان گھروں تک جہاں غربت، محرومی اور مایوسی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ کسی مزدور، کسان، رکشہ چلانے والے یا یومیہ مزدوری کرنے والے کا باصلاحیت بچہ صرف مالی مشکلات کی وجہ سے اپنے خواب قربان نہ کرے۔

اگر تعلیم کے حصول کی راہ میں مالی دشواریاں حائل ہوں تو والدین کو بلا جھجھک بینکوں کی تعلیمی قرض (ایجوکیشن لون) اسکیموں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس ضمن میں مسلم ایجوکیشن ٹرسٹ کے صدر اور سابق آئی پی ایس افسر ڈاکٹر اکبر علی خان کا کہنا ہے کہ ان کے طویل تجربے اور مشاہدے سے یہ حقیقت بارہا سامنے آئی ہے کہ معاشی تنگی کے باعث لاکھوں باصلاحیت طلبہ اعلیٰ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان کے مطابق اس کی ایک بڑی وجہ یہ غلط فہمی بھی ہے کہ بینکوں سے ایجوکیشن لون حاصل کرنا نہایت دشوار ہے یا اس پر سود کا بوجھ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے، حالانکہ متعدد نیشنلائزڈ بینک اپنی مقررہ شرائط کے مطابق اعلیٰ تعلیم کے لیے تعلیمی قرض فراہم کرتے ہیں، جس کی ادائیگی بھی عموماً تعلیم مکمل ہونے اور ملازمت حاصل کرنے کے بعد مرحلہ وار شروع ہوتی ہے۔ ڈاکٹر خان کے بقول، مسلم ایجوکیشن ٹرسٹ، کولکاتہ مستحق طلبہ کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ بلاسود تعلیمی معاونت کی فراہمی کے لیے بھی کوشاں ہے، تاکہ کوئی ذہین اور باصلاحیت طالب علم محض مالی تنگی کے باعث اپنے تعلیمی خواب ادھورے چھوڑنے پر مجبور نہ ہو۔

لہٰذا اپنے بچوں کے روشن مستقبل کے لیے تعلیمی قرض حاصل کرنا ہرگز معیوب نہیں، بلکہ یہ ان کی تعلیم اور مستقبل میں ایک دانش مندانہ سرمایہ کاری ہے۔ حکومت اور بینکوں کی جانب سے فراہم کی جانے والی ان سہولتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیجیے، تاکہ آج رکشہ چلانے والے، مزدور یا کسان کا بچہ بھی کل ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، پروفیسر، آئی اے ایس یا آئی پی ایس افسر، آئی آئی ٹی کا طالب علم یا ایک کامیاب محقق بن کر اپنے والدین، اپنے گاؤں، اپنے معاشرے، اپنے وطن اور پوری قوم کا نام روشن کر سکے۔

یاد رکھیے، کسی ملک کی اصل طاقت اس کی بلند و بالا عمارتیں یا وسیع شاہراہیں نہیں ہوتیں بلکہ اس کے تعلیم یافتہ، باکردار، باصلاحیت اور باعمل نوجوان ہوتے ہیں۔ اگر ہم آنے والی نسلوں کو مضبوط، خود کفیل، باوقار اور ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں تعلیم کو اپنی اولین ترجیح بنانا ہو گی۔ یہی وہ سرمایہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا، یہی وہ روشنی ہے جو صدیوں تک قوموں کی رہنمائی کرتی ہے اور یہی وہ قوت ہے جو ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔

آج اگر ہم نے اپنے گھروں، بستیوں اور معاشرے میں علم کی شمع روشن کر دی تو آنے والا کل یقیناً زیادہ روشن، زیادہ محفوظ، زیادہ خوش حال اور زیادہ باوقار ہو گا۔ آیئے عہد کریں کہ تعلیم کو اپنی، اپنے خاندان اور اپنی قوم کی اولین ترجیح بنائیں، کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ تعلیم ہی ایک روشن، باوقار اور شاندار مستقبل کی سب سے مضبوط، پائیدار اور ناقابلِ تردید ضامن ہے۔

رابطہ------۹۹۳۴۹۳۳۹۹۲

محمد علی جوہر یونیورسٹی کی عمارتوں کے انہدام کا نوٹس واپس لیا جائے۔ مولانا اقرب اللہ برکاتی

مہراج گنج (محمد رمضان امجدی)

اتر پردیش کے ضلع رام پور میں واقع محمد علی جوہر یونیورسٹی کو ڈیولپمنٹ اتھارٹی (RDA) کی جانب سے یونیورسٹی کی ۳۸ عمارتوں کے انہدام کے لیے جاری نوٹس سے اہل علم اور انصاف پسند ہندوستانیوں میں شدید بے چینی اور غم وغصہ پایا جا رہا ہے۔ اس کارروائی کو جانبدارانہ، انتقامی اور غیر منصفانہ کارروائی قرار دیتے ہوئے اس کی سخت مذمت کی جا رہی ہے۔ لوگوں کا حکومتِ اتر پردیش سے مطالبہ ہے کہ اس کارروائی کو فوری طور پر روکا جائے اور انہدام کا نوٹس واپس لیا جائے۔

ضلع مہراج گنج کے معروف دانشور اور عالم دین حضرت علامہ اقرب اللہ برکاتی نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ یہ کارروائی صرف ایک تعلیمی ادارے کے خلاف نہیں بلکہ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے خلاف بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومتیں ایک طرف مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے میں ناکام رہی ہیں، جبکہ دوسری طرف جو ادارے عوامی جدوجہد اور قربانیوں سے قائم ہوئے ہیں، انہیں مختلف انتظامی اور قانونی بہانوں سے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان کے مطابق یہ اقدام ایک جانب اعظم خان کے خلاف سیاسی انتقام کی عکاسی کرتا ہے اور دوسری جانب مسلم معاشرے کو تعلیمی میدان میں مزید کمزور کرنے کی کوشش ہے۔

انہوں نے آر ڈی اے کے اس دعوے کو بھی مسترد کیا کہ یونیورسٹی کی ۴۰ میں سے ۳۸ عمارتیں منظوری کے بغیر تعمیر کی گئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یونیورسٹی انتظامیہ کے مطابق متعلقہ عمارتیں اس وقت تعمیر ہوئی تھیں جب یہ علاقہ رام پور ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے دائرۂ اختیار میں شامل ہی نہیں تھا، اس لیے اس وقت آر ڈی اے سے نقشہ منظور کرانے کی کوئی قانونی ضرورت نہیں تھی۔

انہوں نے کہا کہ اگر کسی قسم کی تکنیکی یا قانونی خامی موجود بھی ہو تو اسے قانونی طریقہ کار کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے۔ برسوں کی محنت، وسائل اور عوامی تعاون سے قائم ہونے والی ایک جامعہ کی ۳۸ عمارتوں کو منہدم کرنے کا فیصلہ نہ صرف غیر مناسب اور جابرانہ ہے بلکہ ملک کے تعلیمی مفاد کے بھی خلاف ہے۔ اس سے صرف ایک ادارہ یا ایک طبقہ متاثر نہیں ہو گا بلکہ قومی تعلیمی سرمائے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔

علامہ اقرب اللہ برکاتی نے حکومتِ اتر پردیش اور رام پور ڈیولپمنٹ اتھارٹی سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس فیصلے پر فوری نظرِ ثانی کرتے ہوئے انہدام کا نوٹس واپس لے، قانونی مسائل کو افہام و تفہیم کے ذریعے حل کرے اور ملک کے اس اہم تعلیمی ادارے کے تحفظ کو یقینی بنائے۔

تعلیم پر ضرب، آواز پر پہرہ

معظم ارزاں شاہی دوست پوری

مولانا محمد علی جوہر یونیورسٹی کے انہدام کا نوٹس محض ایک قانونی کاغذ نہیں، یہ ایک تاریخ، ایک تحریک اور لاکھوں طلبہ کے مستقبل پر سوال ہے۔

الزام یہ ہے کہ تعمیر میں قواعد کی خلاف ورزی ہوئی۔ اگر واقعی کوئی تکنیکی غلطی ہے تو قانون کا راستہ جرمانہ، اصلاح یا متبادل حل بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن سیدھا "انہدام" کا آپشن اختیار کرنا، اس پیغام کو عام کرتا ہے کہ ریاست تعلیم سے زیادہ طاقت پر یقین رکھتی ہے۔

اس نوٹس کے خلاف جو ردعمل سامنے آیا وہ فطری تھا۔ طلبہ، اساتذہ، علماء اور سماجی تنظیمیں سڑکوں پر آئیں۔ مطالبہ صرف ایک تھا: مکالمہ کیجیے، تعلیم کو بچائیے۔ ریلیاں پرامن تھیں، دستخطی مہمیں آئینی تھیں، سوشل میڈیا پر آواز جمہوری تھی۔

مگر افسوس کہ جواب مکالمے سے نہیں، جبر سے دیا گیا۔ تحریک میں شامل نوجوانوں پر ایف آئی آر، گھروں سے حراست، اساتذہ پر دباؤ اور یونیورسٹی کے فنڈز روکنے کی خبریں منظر عام پر آئیں۔ سوشل میڈیا پر تحریک کو "غیر قانونی" کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش ہوئی۔

یہ جارحانہ اقدامات مسئلے کا حل نہیں۔ اس سے ۳ نقصان ہوئے ہیں:

پہلا، کلاس روم میں خوف۔ جب استاد اور طالب علم یہ سوچیں کہ سوال کرنے پر مقدمہ ہو گا تو علم کیسے پروان چڑھے گا؟

دوسرا، سماجی بے اعتمادی۔ ایک تاریخی نام سے جڑے ادارے پر وار پوری کمیونٹی کو غیر محفوظ کرتا ہے۔

تیسرا، جمہوریت کا امتحان۔ پرامن احتجاج ہر شہری کا حق ہے۔

ہمارا مطالبہ واضح ہے۔

۱. نوٹس پر نظرِ ثانی ہو اور انہدام کو آخری آپشن سمجھا جائے۔

۲. مظاہرین پر درج مقدمات فوری واپس ہوں۔

۳. حکومت، انتظامیہ اور یونیورسٹی کے درمیان ٹیبل ٹاک ہو۔

قومیں عمارتیں گرا کر نہیں، مدرسے بنا کر عظیم بنتی ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر کا نام قربانی اور اتحاد کی علامت ہے۔ اس علامت کو مٹانے کی بجائے اسے مضبوط کرنا وقت کا تقاضا ہے۔

ورنہ تاریخ پوچھے گی: جب علم کو دیوار کی ضرورت تھی، ریاست نے دیوار ہی گرا دی؟

واللہ خیر الحاکمین_

تعلیم کی روشنی:

(ڈاکٹر بریگیڈیئر مختار عالم، ایم ڈی)

ضلع پٹنہ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں حافظ عبد الرحمٰن نامی ایک نہایت معزز امام مسجد رہتے تھے۔ وہ اپنی دیانت داری، تقویٰ، سادگی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے پورے علاقے میں معروف تھے۔ لوگ دینی رہنمائی کے لیے ان کے پاس آتے، اور وہ اپنی پوری زندگی قرآنِ کریم کی تعلیم دینے اور امامت کے فرائض انجام دینے میں مصروف رہتے۔ اگرچہ لوگوں کے دلوں میں ان کا بے حد احترام تھا، لیکن ان کی آمدنی نہایت محدود تھی۔ وہ اپنی اہلیہ اور دو بیٹیوں، سلمیٰ اور نجمہ، کے ساتھ مسجد کے قریب ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے۔

حافظ عبد الرحمٰن نے اپنی دونوں بیٹیوں کی دینی تعلیم پر بچپن ہی سے خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے اپنے والد سے قرآنِ مجید، احادیثِ نبوی ﷺ اور اسلامی اقدار کی تعلیم حاصل کی۔ جب وہ بڑی ہوئیں تو حافظ صاحب نے انہیں عصری تعلیم کے لیے بھی باقاعدہ اسکول میں داخل کروا دیا، کیونکہ ان کا یقین تھا کہ دینی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم بھی بے حد ضروری ہے۔

بڑی بیٹی سلمیٰ نہایت نرم مزاج، محنتی اور ادب سے گہری دلچسپی رکھنے والی تھی، جبکہ چھوٹی بیٹی نجمہ غیر معمولی ذہین تھی اور سائنس سے خاص شغف رکھتی تھی۔ ہائی اسکول مکمل کرنے کے بعد سلمیٰ نے آرٹس کا شعبہ اختیار کیا اور نجمہ نے سائنس کا انتخاب کیا۔

دونوں بہنوں نے محنت اور لگن سے تعلیم حاصل کی اور بارہویں جماعت بہترین نمبروں سے کامیاب کی۔ سلمیٰ کی خواہش تھی کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور ایک کامیاب استاد بنے، لیکن حافظ عبد الرحمٰن شدید فکرمند تھے۔ مسجد کے امام کی حیثیت سے ان کی معمولی آمدنی کالج کی فیس اور دیگر اخراجات برداشت کرنے کے لیے کافی نہ تھی۔

مسجد کے مستقل نمازیوں میں ایک صاحب، ایڈووکیٹ سلطان، بھی تھے۔ وہ نہایت شریف، فیاض اور نیک دل انسان تھے۔ حافظ صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کی بیٹیوں کی بہترین تربیت سے بھی بہت متاثر تھے۔ ایک دن انہیں معلوم ہوا کہ سلمیٰ مالی تنگی کی وجہ سے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ پا رہی۔

انہوں نے حافظ صاحب سے کہا:

"حافظ صاحب! آپ کی بیٹی بہت باصلاحیت ہے۔ براہِ کرم اسے اپنی تعلیم جاری رکھنے دیں۔ اس کے تمام تعلیمی اخراجات میں برداشت کروں گا۔"

حافظ عبد الرحمٰن کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے بھر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ایڈووکیٹ سلطان کی مدد سے سلمیٰ نے گریجویشن مکمل کیا، پھر انگریزی ادب میں ایم۔اے۔ کیا، اور اپنی محنت اور قابلیت کے بل پر پی۔ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔ آخرکار وہ ایک ڈگری کالج میں پروفیسر مقرر ہو گئی۔ اس کی کامیابی پر پورا قصبہ فخر محسوس کرتا تھا۔

دوسری طرف نجمہ نے سائنس میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی اور نیٹ (NEET) کا امتحان دیا۔ اس نے شاندار نمبر حاصل کیے اور ایم۔بی۔بی۔ایس۔ میں داخلے کے لیے منتخب ہو گئی۔ گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، لیکن حافظ عبد الرحمٰن ایک بار پھر پریشان ہو گئے، کیونکہ میڈیکل کی تعلیم کے اخراجات ان کی استطاعت سے کہیں زیادہ تھے۔

اسی دوران ان کی اہلیہ شدید بخار میں مبتلا ہو گئیں۔ حافظ صاحب انہیں علاج کے لیے ایک فوجی اسپتال لے گئے، جہاں ان کی ملاقات فوج کے نہایت مہربان اور ہمدرد ڈاکٹر، میجر خالد خان، سے ہوئی۔

گفتگو کے دوران میجر خالد خان نے حافظ صاحب کے خاندان کے بارے میں دریافت کیا۔ حافظ صاحب نے جھجکتے ہوئے بتایا کہ ان کی چھوٹی بیٹی ایم۔بی۔بی۔ایس۔ میں منتخب ہو گئی ہے، مگر وہ اس کی فیس ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

میجر خالد خان، حافظ صاحب کی دیانت داری اور ان کی بیٹیوں کی شاندار کامیابیوں سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا:

"حافظ صاحب! آپ کی بیٹی کو یہ سنہری موقع ہرگز ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اس کی تعلیم کی ذمہ داری میری ہے۔" یہ الفاظ سن کر حافظ صاحب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

میجر خالد خان نے نجمہ کی تعلیم کے تمام اخراجات کا انتظام کیا اور پورے میڈیکل کورس کے دوران اس کی ہر ممکن مدد کرتے رہے۔ نجمہ نے انتھک محنت کی اور امتیازی کامیابی کے ساتھ ایم۔بی۔بی۔ایس. مکمل کیا۔ میجر خالد خان کی حب الوطنی اور خدمتِ خلق سے متاثر ہو کر اس نے بھی بھارتی فوج میں ڈاکٹر کی حیثیت سے شمولیت اختیار کر لی۔ اپنی قابلیت، نظم و ضبط اور عوامی خدمت کی بدولت وہ بہت جلد ایک باوقار اور قابلِ احترام فوجی ڈاکٹر بن گئی۔ وقت گزرتا گیا۔ وہی چھوٹے سے قصبے کی مسجد کے امام، جو کبھی اپنی بیٹیوں کی تعلیم کے لیے پریشان رہتے تھے، پورے قصبے بلکہ ضلع بھر میں عزت و احترام کی علامت بن گئے۔ لوگ ان کی دولت کی نہیں بلکہ ان کی دیانت، اعلیٰ اخلاق، اسلامی اقدار اور تعلیم سے محبت کی تعریف کرتے تھے۔

تعلیم یافتہ اور خوشحال خاندان اپنے بیٹوں کے لیے سلمیٰ اور نجمہ کا رشتہ مانگنے مسجد آنے لگے۔ ان کے لیے یہ باعثِ فخر تھا کہ وہ حافظ عبد الرحمٰن جیسے باکردار خاندان سے رشتہ قائم کریں۔

ایک شام حافظ صاحب مسجد کے صحن میں بیٹھے اپنی دونوں بیٹیوں کو محبت اور شکرگزاری سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل میں یہ احساس جاگا کہ تعلیم، مسلسل محنت، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور نیک دل انسانوں کی مدد نے ان کی زندگی کو یکسر بدل دیا ہے۔

وہ اکثر قصبے کے نوجوانوں سے کہا کرتے تھے:

"یہ کبھی مت سمجھو کہ غربت تمہاری ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ علم دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اگر انسان میں عزم، تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ ہو تو کامیابی کے ہر دروازے اس پر کھل سکتے ہیں۔"

سبق (Moral):

انسان کسی بھی معاشی یا سماجی پس منظر سے تعلق رکھتا ہو، اگر وہ اسلامی اقدار، اعلیٰ اخلاق، عزمِ مصمم اور جدید تعلیم کو اپنا شعار بنا لے، تو وہ زندگی کی بلند ترین منزلوں تک پہنچ سکتا ہے۔*

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

دینی اور ملی خدمات میں علماء کا اہم کردار

محمد حسن علیمی خادم مدرسہ عربیہ اہل سنت قمر العلوم پالہی نندن گاؤں پالیکا وارڈ نمبر ۴ لہرلی نوپراسی نیپال

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی ہدایت کے لیے ہر دور میں انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، اس لیے آپ ﷺ کے بعد دین کی حفاظت، تبلیغ، اشاعت اور امت کی رہنمائی کی ذمہ داری علماء کرام کے سپرد ہوئی۔ اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں علماء کو "انبیاء کے وارث" قرار دیا گیا ہے۔ علماء کرام نے ہر زمانے میں دینِ اسلام کی تعلیمات کو محفوظ رکھا، قرآن وحدیث کی تشریح کی، مسلمانوں کی دینی، اخلاقی اور سماجی تربیت کی اور ملتِ اسلامیہ کی قیادت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ ان کی خدمات صرف مذہبی امور تک محدود نہیں بلکہ قومی، سماجی، تعلیمی، اخلاقی اور اصلاحی میدانوں میں بھی نمایاں ہیں۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی ترقی، اتحاد اور بقا میں علماء کرام کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

علماء کرام کی دینی خدمات

علماء کرام کی سب سے بڑی خدمت دینِ اسلام کی حفاظت اور اس کی صحیح تعلیمات کو عام کرنا ہے۔ انہوں نے قرآنِ مجید کی تفسیر، احادیثِ نبویہ کی تشریح، فقہ کی تدوین اور اسلامی علوم کی ترویج میں بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ ہر دور میں جب بھی اسلام پر فکری یا عملی حملے ہوئے، علماء نے دلائل، تحقیق اور حکمت کے ذریعے ان کا جواب دیا اور امت کے ایمان کی حفاظت کی۔

جامعات اور دینی مراکز میں قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ بچوں کو قرآنِ پاک پڑھاتے ہیں، نوجوانوں کی دینی تربیت کرتے ہیں اور بڑوں کو دین کی صحیح سمجھ فراہم کرتے ہیں۔ ان کی محنت سے لاکھوں حفاظ، قراء، محدثین، مفتیان اور مفسرین تیار ہوتے ہیں جو دین کی خدمت کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہیں۔

تبلیغِ اسلام علماء کرام کی اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ وہ خطباتِ جمعہ، دینی اجتماعات، دروسِ قرآن، اصلاحی بیانات اور دعوتی پروگراموں کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رسول اکرم ﷺ کی سنت اور اسلامی اخلاق کی طرف بلاتے ہیں۔ ان کی محنت کے نتیجے میں بے شمار لوگ دین کی طرف راغب ہوتے ہیں، برائیوں سے توبہ کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ علماء صرف اپنے ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں جا کر اسلام کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ ان کی دعوتی کوششوں کے ذریعے بہت سے غیر مسلم بھی اسلام قبول کرتے ہیں اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے واقف ہوتے ہیں۔

اسلامی مدارس کا قیام اور ان کا نظام علماء کرام کی عظیم خدمات میں شمار ہوتا ہے۔ مدارس میں قرآن، حدیث، فقہ، عربی زبان، تفسیر، عقائد اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ ادارے نہ صرف دینی تعلیم فراہم کرتے ہیں بلکہ اخلاقی کردار، نظم وضبط، تقویٰ اور خدمتِ خلق کا جذبہ بھی پیدا کرتے ہیں۔

آج دنیا بھر میں ہزاروں مدارس دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان مدارس سے فارغ ہونے والے علماء مختلف علاقوں میں جا کر دینی خدمات انجام دیتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو عام کرتے ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ میں علماء کا کردار

علماء کرام معاشرے کی اصلاح میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو جھوٹ، دھوکہ، رشوت، سود، ظلم، بدعنوانی، فحاشی اور دیگر برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ سچائی، دیانت داری، عدل، امانت، صبر، شکر، حسنِ اخلاق اور بھائی چارے کی تعلیم دیتے ہیں۔

خاندانی مسائل، ازدواجی اختلافات، وراثت کے تنازعات اور سماجی جھگڑوں کے حل میں بھی علماء اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے کرتے ہیں اور لوگوں کو صلح، محبت اور اتحاد کا درس دیتے ہیں۔

ملی خدمات میں علماء کا کردار

ملی خدمات سے مراد وہ خدمات ہیں جو پوری ملت اور قوم کی بھلائی کے لیے انجام دی

جائیں۔ علماء کرام نے ہر دور میں مسلمانوں کے اتحاد، یکجہتی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی ہے۔ جب بھی ملتِ اسلامیہ کو کسی بحران، ظلم یا آزمائش کا سامنا ہوا، علماء سب سے آگے نظر آئے۔

انہوں نے عوام میں اتحاد، اخوت، صبر اور برداشت کا جذبہ پیدا کیا اور فرقہ واریت، تعصب اور نفرت سے بچنے کی تلقین کی۔ قومی مسائل میں انہوں نے ہمیشہ مثبت رہنمائی فراہم کی اور امن واستحکام کو فروغ دیا۔

آزادی کی تحریکوں میں علماء کی خدمات۔ اسی طرح دیگر اسلامی ممالک میں بھی علماء نے آزادی، انصاف اور حق کے لیے آواز بلند کی اور قوموں کی رہنمائی کی۔

فلاحی اور سماجی خدمات

علماء کرام صرف مذہبی تعلیم تک محدود نہیں رہتے بلکہ معاشرے کی فلاح و بہبود میں بھی بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ قدرتی آفات، سیلاب، زلزلوں اور دیگر مشکلات کے وقت وہ امدادی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں، متاثرین کی مدد کرتے ہیں اور مخیر حضرات کو خدمتِ خلق کی طرف راغب کرتے ہیں۔ بہت سے علماء یتیم خانوں، دینی مدارس، رفاہی اداروں، اسپتالوں اور فلاحی تنظیموں کے ذریعے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ضرورت مند افراد کی مدد کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشرتی ہمدردی اور تعاون کو فروغ دیتے ہیں۔

جدید دور میں علماء کی ذمہ داریاں

آج کا دور سائنسی ترقی، ٹیکنالوجی، سوشل میڈیا اور نت نئے فکری چیلنجز کا دور ہے۔ اس دور میں علماء کرام کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں۔

انہیں چاہیے کہ وہ جدید تقاضوں کو سمجھتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں امت کی رہنمائی کریں۔

علماء کو نوجوان نسل کے سوالات کے تسلی بخش جوابات دینے چاہییں، اعتدال، برداشت اور حسنِ اخلاق کو فروغ دینا چاہیے اور سوشل میڈیا کے ذریعے دین کی صحیح تعلیمات کو عام کرنا چاہیے۔ اسی طرح انتہا پسندی، گمراہی، بے دینی اور اخلاقی زوال کے خلاف حکمت اور بصیرت کے ساتھ کام کرنا بھی ان کی اہم ذمہ داری ہے۔

علماء کی شخصیت خود ایک عملی نمونہ ہونی چاہیے۔ جب عالم اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کی بات لوگوں کے دلوں پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ سادگی، تقویٰ، دیانت، اخلاص، عاجزی، صبر اور خدمتِ خلق جیسی صفات علماء کی پہچان ہونی چاہییں۔ تاریخ کے عظیم علماء نے ہمیشہ اپنے کردار سے لوگوں کو متاثر کیا اور اپنے عمل کے ذریعے اسلام کی خوبصورتی کو نمایاں کیا۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ علماء کرام دینِ اسلام کے محافظ، امت کے رہنما اور معاشرے کے مصلح ہیں۔ انہوں نے ہر دور میں دین کی حفاظت، اسلامی تعلیمات کی اشاعت، قوم کی رہنمائی، اصلاحِ معاشرہ، ملی اتحاد، تعلیمی ترقی، فلاحی خدمات اور قومی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی امت مسلمہ کو ایسے مخلص، باعمل اور صاحب علم علماء کی ضرورت ہے جو قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں کی صحیح رہنمائی کریں، نوجوان نسل کو دین سے جوڑیں اور معاشرے میں امن، محبت، اخوت اور عدل کو فروغ دیں۔ اگر علماء کرام اور عوام باہمی تعاون، اخلاص اور اتحاد کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کریں تو ایک مضبوط، باوقار، ترقی یافتہ اور اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ یہی علماء کی دینی اور ملی خدمات کا اصل مقصد ہے اور یہی امتِ مسلمہ کی کامیابی اور فلاح کا راستہ ہے۔

مدرسہ فرید العلوم ابراہیمیہ، حسینا میں روح پرور تقریبِ تکمیلِ حفظِ قرآن

پریس ریلیز نیپال اردو ٹائمز

ضلع بیگوسرائے کے معروف و ممتاز دینی ادارہ مدرسہ فرید العلوم ابراہیمیہ، حسینا، جو شیخِ طریقت حضرت صوفی انور علی سہیل فریدی صاحب قبلہ (بدایوں شریف) کی سرپرستی میں دینی، تعلیمی اور روحانی خدمات انجام دے رہا ہے، میں دو خوش نصیب طلبہ حافظ محمد ناصر (کٹیہار) اور حافظ محمد ساجد رضا (حسینا، بیگوسرائے) کی تکمیلِ حفظِ قرآن کے موقع پر ایک نہایت روح پرور، ایمان افروز اور بابرکت تقریب منعقد ہوئی۔

تقریب میں اساتذۂ کرام، علماء، حفاظ، معززینِ علاقہ، اراکینِ کمیٹی، طلبہ اور عوام کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اس موقع پر بزرگانِ دین، خصوصاً سلسلۂ عالیہ فریدیہ کے مشائخِ کرام کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ خوانی اور خصوصی دعا کا اہتمام کیا گیا۔ شرکاء نے اس موقع کو قرآنِ مجید کی عظمت، دینی تعلیم کی اہمیت اور مدارسِ اسلامیہ کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا حسین مظہر قرار دیا۔

محفل سے خطاب کرتے ہوئے مفتی محمد محسن رضا مصباحی (ٹیچر، ہائی اسکول حسینا) نے حدیثِ نبوی ﷺ "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" کی روشنی میں کہا کہ قرآن کریم سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا سب سے بڑی نیکی اور دائمی صدقۂ جاریہ ہے۔ انہوں نے حفاظِ کرام کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور بے مثال سعادت ہے، جس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

مدرسہ کے صدر المدرسین علامہ غلام سبطین فریدی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ قرآنِ مجید انسانیت کے لیے سرچشمۂ ہدایت اور اہلِ ایمان کے لیے شفا و رحمت ہے۔ انہوں نے حفاظِ کرام کو اخلاص، تقویٰ اور خدمتِ دین کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کی تلقین کی۔ انہوں نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اہلِ خیر سے مدرسہ کی تعمیر و ترقی، طلبہ کی کفالت اور دینی تعلیم کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر تعاون کی اپیل کی۔ انہوں نے کہا کہ دینی اداروں پر خرچ کیا گیا ہر روپیہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ رہتا ہے اور آخرت میں اس کا بہترین اجر عطا ہوگا۔

اس بابرکت تقریب میں حضرت حافظ و قاری مولانا آشکار عالم، قاری معراج نوری، مولانا اسلام الدین، مولانا صغیر رضا، حافظ اشتیاق فریدی، حافظ بلال صاحبان سمیت متعدد علماء و حفاظ کرام نے شرکت کی۔ اراکینِ کمیٹی میں الحاج محمد احمد معینی، عالی جناب نیاز ندیم فریدی، الحاج فیض الرحمن (مکھیا، صالح چک پنچایت)، جناب اکبر، جناب مفیض الرحمن، لال خاں اور دیگر معزز شخصیات بھی موجود رہیں۔

تقریب کے اختتام پر دونوں حفاظِ کرام کی دستار بندی کی گئی، انہیں مبارک باد پیش کی گئی اور ان کے حق میں خصوصی دعائیں کی گئیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں قرآنِ کریم کا سچا خادم، باعمل حافظ اور ملتِ اسلامیہ کے لیے نافع بنائے۔ محفل کا اختتام مدرسہ کے ناظمِ اعلیٰ کی رقت آمیز اجتماعی دعا پر ہوا، جس میں امتِ مسلمہ کی سلامتی، مدارسِ اسلامیہ کی ترقی اور ملک میں امن و بھائی چارے کے لیے خصوصی دعائیں کی گئیں

چاند سا ہے یا آفتاب سا ہے
آپ کا حسن لاجواب کا ہے
آپ کو صرف دیکھتا ہی رہوں
میری آنکھوں میں ایک خواب سا ہے
جب سے نظریں ملیں ہیں اے ہمدم
تب سے اس دل میں انقلاب کا ہے
جب سے رہتے ہیں وہ تصور میں
بخدا اک نشہ شراب سا ہے
اُن کی یادوں نے جب سے منہ موڑا
تب جینا بھی اک عذاب سا ہے
شاعری بھی ادب کی خدمت ہے
یہ بھی تحسین اک ثواب کا ہے

تحسین رضا قادری
مدرس دار العلوم ضیائے مصطفیٰ فہیم آباد کالونی کانپور
۹۸۳۸۰۹۹۷۸۶

طبیب جڑ کا علاج کرتا ہے

بختیار برکاتی
دہلی (دار الحکومت) ہند

انسانی زندگی کا ایک عجیب المیہ یہ ہے کہ ہم اکثر نتائج سے لڑتے ہیں مگر اسباب کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہمیں پھل کی خرابی دکھائی دیتی ہے، مگر جڑ کی کمزوری پر نگاہ نہیں جاتی۔ ہم دھوئیں سے پریشان ہوتے ہیں، مگر آگ کے سرچشمے تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ حالانکہ فطرت کا قانون یہ ہے کہ ہر نتیجے کے پیچھے کوئی سبب اور ہر سبب کے پیچھے کوئی نہ کوئی بنیاد موجود ہوتی ہے۔

اسی لیے ایک حقیقی طبیب کی پہچان یہ نہیں کہ وہ علامات کو کتنی جلدی ختم کر دیتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ مرض کی جڑ تک کس حد تک پہنچ پاتا ہے۔

سر درد کو دبانا علاج نہیں، یہ دیکھنا علاج ہے کہ سر درد کیوں پیدا ہو رہا ہے۔ بخار کو کم کرنا کافی نہیں، یہ جاننا ضروری ہے کہ بخار کا سبب کیا ہے۔ درد کو خاموش کر دینا حکمت نہیں، درد کے منبع کو تلاش کرنا حکمت ہے۔

یہ اصول صرف طب تک محدود نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے پر یکساں لاگو ہوتا ہے۔

آج ہم معاشرتی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ نوجوانوں کی بے راہ روی، اخلاقی انحطاط، ذہنی انتشار، عدم برداشت اور بے مقصدیت کا شکوہ کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب اصل بیماری ہیں یا کسی گہری بیماری کی علامات؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کردار کو دیکھتے ہیں مگر عادت کو نہیں، عادت کو دیکھتے ہیں مگر اس کے پس منظر کو نہیں، اور پس منظر کو دیکھتے ہیں مگر اس صحبت اور ماحول کو نہیں دیکھتے جس نے یہ سب پیدا کیا۔

فطرت کا قانون بڑا واضح ہے۔

انسان جس ماحول میں رہتا ہے، جس صحبت میں وقت گزارتا ہے، جن خیالات سے مسلسل متاثر ہوتا ہے، رفتہ رفتہ ویسا ہی بنتا چلا جاتا ہے۔ یہ عمل اچانک نہیں ہوتا بلکہ تدریج کے ساتھ وقوع پذیر ہوتا ہے۔

ایک خیال آتا ہے، پھر بار بار آتا ہے۔ وہ میلان بناتا ہے۔ میلان عمل میں ڈھلتا ہے۔ عمل کی تکرار عادت بن جاتی ہے۔ عادت کردار کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور کردار بالآخر انسان کی زندگی کا رخ متعین کرتا ہے۔

یوں ایک پوری تقدیر خاموشی سے تشکیل پاتی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہلِ حکمت ہمیشہ جڑوں پر توجہ دیتے ہیں۔ ایک معلم صرف معلومات نہیں دیتا بلکہ ذہن سازی کرتا ہے۔ ایک مربی صرف نصیحت نہیں کرتا بلکہ ماحول فراہم کرتا ہے۔ ایک مصلح صرف برائی کی مذمت نہیں کرتا بلکہ اسباب کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اور ایک طبیب صرف علامات نہیں دیکھتا بلکہ مرض کی بنیاد تلاش کرتا ہے۔

بدقسمتی سے جدید دور میں ہم فوری نتائج کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسائل بھی فوراً پیدا ہوں اور فوراً ختم ہو جائیں۔ حالانکہ فطرت کا نظام تدریج پر قائم ہے۔ جس چیز کو بننے میں برسوں لگے ہوں، اسے سنورنے میں بھی وقت درکار ہوتا ہے۔

ایک درخت کو کاٹنے میں چند منٹ لگ سکتے ہیں، مگر اسے اگانے میں برسوں درکار ہوتے ہیں۔

ایک شخصیت کو بگاڑنے میں چند غلط صحبتیں کافی ہو سکتی ہیں، مگر اسے سنوارنے کے لیے مسلسل تربیت، درست ماحول، اچھے نمونے اور صبر آزما جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دور بدل جانے کے باوجود فطرت کے قوانین نہیں بدلتے۔

کل کا انسان بھی صحبت سے متاثر ہوتا تھا، آج کا انسان بھی ہوتا ہے۔ کل بھی عادتیں کردار بناتی تھیں، آج بھی بناتی ہیں۔ کل بھی وقت تبدیلی کا ذریعہ تھا، آج بھی ہے۔ ذرائع بدل گئے ہیں، قانون نہیں بدلا۔

آج موبائل فون، سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل دنیا نئی صحبتیں بن چکی ہیں۔ اب انسان صرف ان لوگوں سے متاثر نہیں ہوتا جن کے ساتھ وہ بیٹھتا ہے، بلکہ ان خیالات سے بھی متاثر ہوتا ہے جنہیں وہ روزانہ اپنی آنکھوں اور کانوں کے ذریعے اپنے اندر داخل کر رہا ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر ہم فرد، خاندان یا معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو ہمیں نتائج کے بجائے اسباب پر توجہ دینا ہوگی۔

کیونکہ پھل کو بدلنے کے لیے جڑ کو بدلنا پڑتا ہے۔

اور یہی وہ مقام ہے جہاں طب، تعلیم، تربیت، تزکیہ اور اصلاحِ معاشرہ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔

آخرکار ایک طبیب کی طرح ہر صاحبِ فکر کو یہ سمجھنا ہوگا کہ اصل کامیابی علامات سے جنگ میں نہیں بلکہ جڑ تک رسائی میں ہے۔

کیونکہ جو شخص جڑ کو سنوار لیتا ہے، اس کے لیے پھل کی اصلاح ایک فطری نتیجہ بن جاتی ہے۔

خلاصہ

> "علامات شور مچاتی ہیں، مگر جڑ خاموش ہوتی ہے؛ اور حکمت ہمیشہ خاموش جڑ کی تلاش سے شروع ہوتی ہے۔"

سائنس دان کی وطن واپسی پر جگہ جگہ پھولوں کے ہار، دعاؤں کی صدائیں، اور مبارکباد کا تانتا

عوام وخواص نے پھولوں کا ہار پہنا کر مبارک باد پیش کی فائل فوٹو

یہ کامیابی، یہ میرے والدین اور اساتذہ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے-ارشاد احمد انصاری

سنت کبیر نگر (اخلاق احمد نظامی)

قصبہ امرڈوبھا شہر پنچایت بکھرا سنت کبیر نگر کی فضائیں آج معطر ہیں۔ لیڑوا مہوا کے گلی کوچے آج خوشی سے گنگنا رہے ہیں۔ وجہ ہے ایک بیٹے کی واپسی۔ وہ بیٹا جو علم کی تلاش میں دیس پردیس گیا، اور لوٹا تو اپنے ساتھ عزت، علم اور اپنے علاقے کا نام روشن کر کے آیا۔

یہ داستان ہے ڈاکٹر ارشاد احمد انصاری ولد نثار الحق انصاری کی۔

امریکہ کی سرزمین سے جب وہ وطن کی دہلیز پر قدم رکھا تو لگا جیسے پورے علاقے نے سکھ کا سانس لیا ہو۔ جگہ جگہ پھولوں کے ہار، دعاؤں کی صدائیں، اور مبارکباد کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ بوڑھے، جوان، اساتذہ اور دوست احباب سب ایک ہی جملہ دہرا رہے تھے: "ہمارے ارشاد نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا

استقبالیہ کی محفل میں جب ان سے سوال ہوا کہ اس مقام تک پہنچنے کا راز کیا ہے تو انہوں نے آنکھیں نم کر کے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا:

"یہ میری محنت نہیں، یہ میرے ماں باپ کی دعائیں ہیں۔ یہ میرے اساتذہ کی شفقت ہے۔ یہ اللہ پر وہ یقین ہے جو مجھے ہر اندھیرے میں روشنی دکھاتا رہا۔ اور یہ وہ صبر ہے جس کے بارے میں قرآن نے کہا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ"۔

ان کی زندگی خود ایک سبق ہے۔

ابتدائی تعلیم قصبہ کی مرکزی درسگاہ دار العلوم اہلسنت تنویر الاسلام امرڈوبھا کی چٹائیوں پر بیٹھ کر حاصل کی۔ پھر چشتیہ جونیئر ہائی اسکول، امرڈوبھا۔ اس کے بعد بنی مادھو گوپی ناتھ انٹر کالج، بکھرا کی کلاسوں نے ان کے خوابوں کو پر دیے اس کے بعد دیوی اہلیہ یونیورسٹی، اندور سے گریجویشن کی، اور پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی کی علمی فضا میں ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کی منزلیں طے کیں سائنس کے میدان میں ان کی خدمات کا اعتراف مائیکروبایولوجسٹ سوسائٹی آف انڈیا نے "ینگ سائنٹسٹ ایوارڈ" کی صورت میں کیا۔ سال ۲۰۲۳ میں قسمت انہیں امریکہ لے گئی۔ وہاں یونیورسٹی آف لوئس ول، کینٹکی کے براؤن کینسر سینٹر میں بطور پوسٹ ڈاکٹریٹ سائنس دان انہوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اپنے ملک کا نام بھی روشن کیا۔

آج جب نوجوان ان سے ملنے آتے ہیں تو وہ صرف ایک ہی بات کہتے ہیں: "اپنا مقصد طے کرو۔ لگن سے محنت کرو۔ اور رکنا مت۔" بکھرا کے بزرگ گڈو بھائی، وائر مین شکیل احمد، ابو عبیدہ، وصی احمد، شمیم احمد اور علاقے کے دیگر معززین کی آنکھوں میں آج فخر کے آنسو تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: "اگر ہمارے ہر گھر سے ایک ارشاد نکلے تو ہمارا علاقہ، ہمارا ملک ضرور ترقی کرے گا"۔

وطن لوٹنے والے بیٹے کو سلام۔ اور ان والدین و اساتذہ کو سلام جنہوں نے ایسا چراغ جلایا۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

سلطان الفقر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اور عشقی رامپوری سرکار کی شاعری میں فنی آزادی ایک تنقیدی و ادبی جائزہ

اردو فارسی اور پنجابی شاعری کی روایت صدیوں پر محیط ایک عظیم ادبی سرمایہ ہے، جس کی بنیاد بحر، وزن، قافیہ، ردیف اور دیگر عروضی اصولوں پر قائم ہے۔ کلاسیکی شعرا نے ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ایسے شاہکار پیش کیے جو آج بھی ادب کا سرمایہ سمجھے جاتے ہیں۔ تاہم ادب کی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ ہر دور میں ایسے اہلِ دل، صوفی منش اور صاحبِ حال شعرا پیدا ہوئے جن کے نزدیک جذبۂ عشق، روحانی واردات اور باطنی کیفیت، ظاہری فنی پابندیوں سے کہیں زیادہ اہم تھی۔ ان کے نزدیک اصل مقصد دل کی کیفیت کو دل تک پہنچانا تھا، نہ کہ محض فنی مہارت کا اظہار کرنا۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اور آپ ہی کے نقش قدم پر عصرِ حاضر کے مرشد کامل عشقی رامپوری صاحب اسی روایت کے نمایاں نمائندہ دکھائی دیتے ہیں، جن کے کلام میں فنی آزادی، روحانی گہرائی اور جذبۂ عشق ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہیں کہ ان کی شاعری محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ قلب و روح کی آواز محسوس ہوتی ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے عظیم صوفی شاعر اور عارفِ کامل ہیں، ان کی فارسی اور پنجابی شاعری کا بنیادی موضوع عشقِ الٰہی، معرفتِ نفس، ذکرِ حق، فنا و بقا اور مرشدِ کامل کی عظمت ہے، ان کے اشعار میں صوفیانہ فکر کی ایسی گہرائی ملتی ہے جو قاری کو محض مطالعے تک محدود نہیں رکھتی بلکہ اسے باطنی سفر کی دعوت دیتی ہے، ان کے بعض کلام میں عروضی اصولوں کی سخت پابندی نمایاں نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود ان کی شاعری میں ایک فطری آہنگ، داخلی موسیقیت اور وجدانی تسلسل موجود رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام صدیوں سے اہلِ دل کی زبان پر جاری ہے اور آج بھی اسی تازگی اور تاثیر کے ساتھ دلوں کو منور کرتا ہے۔

سرکار سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں الفاظ کی سادگی دراصل ان کے فکری اور روحانی کمال کی علامت ہے، وہ تصنع، مبالغہ اور لفظی صنعت گری کے بجائے براہِ راست دل سے مخاطب ہوتے ہیں، ان کی شاعری میں عشق کی حرارت، ذکر کی لذت اور معرفت کی روشنی اس انداز سے جلوہ گر ہوتی ہے کہ قاری رسمی فنی ساخت کے بجائے معنی کی گہرائی میں کھو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک شعر محض ادبی اظہار نہیں بلکہ روح کی آواز، دل کی کیفیت اور حق تعالیٰ کی طرف سفر کا وسیلہ ہے۔

اسی طرح مرشد کامل عشقی رامپوری صاحب دامت برکاتہم کی شاعری بھی عشقِ حقیقی، محبتِ رسول ﷺ، اولیائے کرام سے وابستگی، اخلاقی اصلاح اور روحانی تربیت کے مضامین سے مزین ہے۔ ان کے کلام میں بھی ایک فطری بہاؤ، سادہ اسلوب اور بے ساختگی نمایاں ہے، وہ اپنے احساسات اور روحانی مشاہدات کو ایسی زبان میں بیان کرتے ہیں جو عام قاری کے لیے بھی قابلِ فہم ہو اور صاحبِ ذوق کے لیے بھی لطف و تاثیر کا باعث بنے، ان کے اشعار میں مصنوعی تکلف یا لفظی نمائش کے بجائے خلوص، درد، محبت اور سچائی کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔

مرشد کامل عشقی رامپوری صاحب دامت برکاتہم کے ہاں بھی یہ احساس ملتا ہے کہ جب قلب پر عشق کی کیفیت غالب آ جاتی ہے تو الفاظ خود بخود ایک خاص ترتیب اختیار کر لیتے ہیں، اس ترتیب کی بنیاد ہمیشہ روایتی عروضی اصول نہیں ہوتے بلکہ جذبے کی روانی، خیال کا تسلسل اور روحانی کیفیت کا بہاؤ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں ایک ایسی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جو قاری کے دل کو براہِ راست مخاطب کرتی ہے۔

اگر فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس طرزِ شاعری کو محض بے اصول قرار دینا درست نہیں ہو گا حقیقت یہ ہے کہ ایسی شاعری اپنی ایک داخلی ساخت، مخصوص آہنگ اور معنوی نظم رکھتی ہے اگرچہ اس میں بعض اوقات روایتی بحر، وزن یا قافیہ کی مکمل پابندی نظر نہیں آتی، لیکن الفاظ کی صوتی ہم آہنگی، معنوی ربط، تکرار، داخلی موسیقیت اور جذبے کی وحدت ایک ایسی روحانی فضا پیدا کرتی ہے جو قاری کو ابتدا سے انتہا تک اپنے ساتھ بہالے جاتی ہے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس شاعری کی اپنی ایک الگ "روحانی بحر" ہو جس کا پیمانہ عروض سے زیادہ کیفیت اور تاثیر پر مبنی ہے۔

ادبی تنقید کے زاویے سے اس موضوع پر مختلف آراء پائی جاتی ہیں، کلاسیکی عروض کے ماہرین کے نزدیک شعر کی فنی مضبوطی کے لیے بحر، وزن اور قافیہ کی پابندی بنیادی اہمیت رکھتی ہے، جبکہ صوفیانہ ادب کے ناقدین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب شعر کا اصل مقصد روحانی کیفیت، عشق کی سچائی اور باطنی تجربے کی ترسیل ہو تو بعض اوقات فنی اصول ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، اس نقطۂ نظر کے مطابق اصل معیار یہ ہے کہ کلام دل پر کتنا اثر چھوڑتا ہے، نہ کہ وہ صرف عروضی پیمانوں پر کس حد تک پورا اترتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت سلطان الفقر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا کلام صدیوں بعد بھی زندہ ہے اور مرشد عشق و محبت عشقی رامپوری سرکار کی شاعری بھی اپنے سامعین اور قارئین کے دلوں میں جگہ بناتی ہے ان دونوں کے ہاں شعر کا اصل سرمایہ لفظوں کی آرائش نہیں بلکہ دل کی سچائی، عشق کی حرارت، معرفت کی روشنی اور روحانی تاثیر ہے یہی عناصر ان کے کلام کو محض ادبی شاہکار سے بلند کر کے ایک روحانی تجربہ بنا دیتے ہیں۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہو گا کہ سیدنا سلطان الفقر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اور مرشد اہل ذوق عشقی رامپوری صاحب دامت برکاتہم کی شاعری ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ ادب کی حقیقی عظمت صرف فنی مہارت میں نہیں بلکہ اس تاثیر میں پوشیدہ ہے جو انسان کے دل، فکر اور روح کو بدل دے جہاں فن اور جذبہ ایک دوسرے کے معاون بن جائیں وہاں شاعری حسنِ بیان کا نمونہ بھی بنتی ہے اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ بھی یہی وہ مقام ہے جہاں لفظ عبادت بن جاتے ہیں، شعر دعا بن جاتا ہے اور شاعری محض ادب نہیں رہتی بلکہ دل سے دل تک پہنچنے والا ایک زندہ روحانی پیغام بن جاتی ہے یکے بعد دیگرے کلام کے نمونے درج ذیل ہیں: فارسی کلام سیدنا سلطان الفقر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ مع منظوم ترجمہ

به بازی عشق می بازم، سرِ بازار سر بازم
رو مردانِ صفا سازم، سرِ بازار سرِ بازم
بمیداں اسپ می تازم، تو ئی واقف ازیں رازم
چُناں بازی ہمی بازم، سرِ بازار سر بازم
بجامِ عشق مے خوردم، زِ ہستی خویش خود مردم
سعادت گوئے خود بردم، سرِ بازار سر بازم
من از یارے چُناں مستم، ازیں و آں ہمہ رَستم
کمر بندِ چناں بستم، سرِ بازار سر بازم
به مستی او چناں مستم، زِ عالم دستِ خود شُستم
زِ شوقِ جاں چناں مستم، سرِ بازار سر بازم

ترجمہ منظوم:

لگی ہے عشق کی بازی، سرِ بازار سر واروں
یہی ہے راہِ اعزازی، سرِ بازار سر واروں
تمہیں اس راز کو جانو، مری پرواز پہچانو
مرے انداز کو جانو، سرِ بازار سر واروں
میں جامِ عشق بھرتا ہوں، سعادت سے گزرتا ہوں
یہ جینا ہے تو مرتا ہوں، سرِ بازار سر واروں
ہوا یوں یار میں مدغم، پڑے نقشِ جہاں مدہم
یہ ہے اندازِ کیف و کم، سرِ بازار سر واروں
ہمہ تن اس کا ہو بیٹھا، جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھا
حواس و ہوش کھو بیٹھا، سرِ بازار سر واروں

نمونہ کلام ثانی شمس تبریزی علامہ عشقی دامت برکاتہم

تاجور تاج کرم تاج سخاوت کہیئے
ایک درویش کو مصروف عنایت کہیئے
غرق رہتے ہیں جو معشوقِ حقیقی کے لیے
اسکو نباض و طبیبان جماعت کہیئے
تلخ گوئی کو زمیں بوس جو کر دیتے ہیں
ایسے غمخوار کو اکسیرِ محبت کہیئے
محرم رازِ نہاں منبع عقل سالم
شرح الفت کا قلم فخر وضاحت کہیئے
اپنے قدموں سے شرابی کو ھدایت دے دیں
دست درویش کو جنت کی ضمانت کہیئے
شرط اول ہے محمد ﷺ کی غلامی عشقی
ورنہ درویشی نہیں اسکو رذالت کہیئے

گل عشقی: مفتی نعمان روحانی
بلے شاہ روحانی خانقاہ سفینۃ الاسلام
جامعہ قطبیہ روحانیہ،
بگی شریف، ضلع رامپور، یوپی، الھند۔

شاعرِ اسلام عبدالرحمٰن شبنم بستویؒ: نم آنکھوں سے سپرد خاک

نمازِ جنازہ سربراہ اعلی علامہ عبد الحفیظ عزیزی نے پڑھائی

بستی (اخلاق احمد نظامی)

دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا وجود خود ایک مکتب بن جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں درد ہوتا ہے، ان کے عمل میں اخلاص، اور ان کی نسبت اکابر سے محبت کی دلیل ہوتی ہے۔ مولانا ڈاکٹر حکیم عبد المصطفیٰ مصباحی علیگ کے والد محترم شاعرِ اسلام عبد الرحمٰن شبنم بستویؒ موضع ہنومان گنج بازار ضلع بستی انہی خوش نصیب ہستیوں میں سے تھے۔ ان کی پوری زندگی علم، ادب اور علماء کی تعظیم کا حسین امتزاج تھی۔

شبنم بستوی علیہ الرحمہ کا سب سے نمایاں وصف علمائے کرام سے گہری عقیدت تھی۔ خصوصاً ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی مبارک پور اعظم گڑھ سے وابستہ اکابر علماء و مشائخ سے ان کو بے حد محبت تھی۔ وہ جب بھی مبارک پور کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھوں میں احترام کے آنسو آ جاتے۔ ان کے نزدیک علماء امت کا سرمایہ اور ملت کی رہنمائی کا چراغ ہیں۔ اسی لیے وہ ہر مجلس میں، ہر محفل میں اور ہر شعر میں اکابر کی شان بلند کرتے نظر آتے۔

اشرفیہ مبارک پور ہندوستان کی وہ عظیم دینی درسگاہ ہے جہاں سے صدیوں سے علم و حکمت کے مینار اٹھے ہیں۔ شبنم بستوی علیہ الرحمہ کا دل اسی چمن سے جڑا ہوا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ علماء کی صحبت کے بغیر نہ شاعری مکمل ہوتی ہے نہ زندگی۔

شبنم بستوی علیہ الرحمہ صرف شاعر نہیں تھے۔ وہ بہترین حافظ و قاری تھے اور عامل بھی تھے ان کی شاعری میں تصوف کی خوشبو، سنت کی روشنی اور ملت کے درد کی صدا سنائی دیتی تھی۔ وہ لفظوں کے بادشاہ تھے، مگر تکبر سے کوسوں دور۔ ان کی سادگی، ان کا تقویٰ اور لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ان کی اصل تاج پوشی تھی۔

انہوں نے اپنی شاعری کو نعت، منقبت اور اصلاحی پیغام کے لیے وقف کر دیا۔ نوجوانوں کو دین سے جوڑنا، باطل کے خلاف قلم اٹھانا اور سچ کو خوبصورت انداز میں کہنا ان کا مشن تھا۔

آج مورخہ ۲۳ جولائی بروز جمعرات کو بعد نمازِ ظہر اس عظیم ہستی کا جنازہ اٹھا تو پوری دینی دنیا سوگوار ہو گئی۔ ان کی نمازِ جنازہ کی امامت سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ عزیزِ ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ عزیزی صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی اور آبائی قبرستان میں نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا۔ یہ منظر خود اس بات کا ثبوت تھا کہ شبنم بستوی علیہ الرحمہ کو اکابر سے کتنی قربت حاصل تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے، آنکھیں اشکبار تھیں اور ہر زبان پر یہی تھا: "ایک عہد ختم ہو گیا"۔

ان کے وصال پر ملک بھر کے اکابر علماء خصوصا مولانا الحاج محمد ادریس بستوی مہنداول، مولانا محمد سعید نورانی دوست پور سلطان پور، مولانا مفتی کمال احمد علیمی جمداشاہی، مولانا ارشاد احمد سجانی گلرہا، قاری اخلاق احمد نظامی گولا بازار گورکھپور، قاری نثار احمد نظامی امرڈوبھا، مولانا زین اللہ علیمی اور مولانا سراج احمد قادری سمیت سینکڑوں علماء حفاظ اور قراء نے تعزیت پیش کی سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شبنم بستوی علیہ الرحمہ نے اپنے علم، عمل اور شاعری سے ملت کی بڑی خدمت کی۔ ان کی کمی کو پُر کرنا آسان نہیں۔

شاعرِ اسلام عبد الرحمن شبنم بستویؒ چلے گئے، مگر ان کے اشعار، ان کی محبت اور ان کا اخلاص آج بھی زندہ ہے۔ وہ ہمیں یہ سبق دے گئے کہ اصل عزت علماء کی تعظیم میں ہے، اصل بادشاہی علم و عمل میں ہے، اور اصل پہچان سنت سے محبت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے، پسماندگان خصوصا مولانا حکیم عبد المصطفیٰ مصباحی علیگ اور ان کے پسماندگان، دوست و احباب رشتہ دار اور تلامذہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ کو میں نے دیکھا ہے، تیسویں برسی پر ان کی دینی، صحافتی، سماجی اور ادبی خدمات کی یاد

جاوید جمال الدین

بعض شخصیات صرف اپنے عہد کی نمائندہ نہیں ہوتیں بلکہ وہ اپنے علم، کردار اور خدمات کے باعث ایک عہد کی علامت بن جاتی ہیں۔ قاضی اطہر مبارک پوریؒ (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۶ء) بھی انہی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے تھے۔ وہ عالمِ دین، مورخ، سیرت نگار، محقق، ادیب، صحافی اور معلم تھے۔ ان کی زندگی اس حقیقت کی روشن مثال ہے کہ اخلاص، محنت، دیانت اور مسلسل جستجو انسان کو وہ مقام عطا کرتی ہے جہاں پہنچنا ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔

ابتدائی زندگی تنگ دستی اور دشوار حالات میں گزری، مگر علم حاصل کرنے کا شوق کبھی ماند نہ پڑا۔ یہی شوق آگے چل کر ان کی شخصیت کا سب سے نمایاں وصف بن گیا۔ انہوں نے عرب و ہند کی تاریخ، سیرتِ نبویؐ، اسلامی تہذیب، سوانح نگاری، صحافت اور ادب کے میدان میں ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں کہ ان کا نام اردو دنیا میں ہمیشہ احترام سے لیا جائے گا۔ ان کی پچاس سے زائد کتابیں شائع ہوئیں، جن میں سے بیشتر آج بھی اہلِ علم کے لیے بنیادی مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جولائی ۱۹۹۶ء کو یہ آفتابِ علم غروب ہوا اور مبارک پور اتر پردیش کے آبائی قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے، مگر ان کا علمی سرمایہ آج بھی زندہ ہے اور آنے والی نسلوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔

انقلاب اور قاضی اطہر مبارک پوریؒ

روزنامہ انقلاب کے بانی مجاہدِ صحافت عبدالحمید انصاریؒ نے ۱۹۳۸ء میں اس اخبار کی بنیاد رکھی۔ ان کا مقصد صرف ایک اخبار جاری کرنا نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی فکری، ملی اور سماجی رہنمائی کے لیے ایک مضبوط پلیٹ فارم فراہم کرنا تھا۔ اس زمانے میں اردو کے کئی باأثر اخبارات میدان میں موجود تھے اور صحافتی مقابلہ اپنے عروج پر تھا، مگر انصاری صاحب کی بصیرت، جدوجہد اور بے مثال قربانیوں نے محض ایک دہائی میں انقلاب کو اردو داں طبقے کی معتبر آواز بنا دیا۔

تقسیمِ ہند کے بعد جب ہندوستانی مسلمانوں کو نئے سیاسی اور سماجی چیلنجوں کا سامنا تھا، عبدالحمید انصاریؒ نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کے لیے ایک ایسے قلم کار کی ضرورت ہے جو مذہبی بصیرت، تاریخی شعور اور تحقیقی دیانت کا حامل ہو۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب قاضی اطہر مبارک پوریؒ کو روزنامہ انقلاب سے وابستہ ہونے کی دعوت دی گئی۔

اس سے قبل وہ روزنامہ جمہوریت میں اپنے علمی مضامین کے ذریعے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ ۲۵ فروری ۱۹۵۱ء کے شمارے میں روزنامہ انقلاب نے ان کی شمولیت کا باضابطہ اعلان کیا:

"قارئینِ انقلاب کو یہ سن کر بڑی مسرت ہو گی کہ ہندوستان کے مشہور عالم اور صحافی قاضی اطہر مبارک پوری، جو تاریخِ اسلام کے ماہر ہیں، آج سے ادارۂ انقلاب میں شامل ہو گئے ہیں اور قارئین کے لیے 'احوال و معارف' کے عنوان سے مستقل کالم لکھا کریں گے۔"

یہ کالم جلد ہی علمی دنیا میں اپنی منفرد شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس میں صرف قرآنی نکات ہی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ، عالمی سیاست، مسلم ممالک کے حالات، تہذیبی مباحث اور معاصر مسائل پر تحقیقی تبصرے پیش کیے جاتے تھے۔ ہر سطر علم و تحقیق کے معیار پر پوری اترتی تھی۔

میری یادوں میں قاضی صاحبؒ

۱۹۸۹ء میں جب مجھے روزنامہ انقلاب میں بطور صحافی کام کرنے کا شرف حاصل ہوا تو قاضی اطہر مبارک پوریؒ عمر کے آخری حصے میں داخل ہو چکے تھے، لیکن ان کی علمی وجاہت اور سادگی آج بھی میری نگاہوں میں محفوظ ہے۔

میں نے انہیں متعدد مرتبہ تاردیو میں واقع روزنامہ انقلاب کے دفتر آتے دیکھا، جہاں وہ کاتب حضرات سے ملاقات کرتے تھے۔ اسی طرح عبد الرحمن اسٹریٹ میں ان کے دفتر کے باہر آویزاں "مرکزِ علمی" کا بورڈ بھی آج تک میری یادداشت کا حصہ ہے۔ اس علاقے سے میری ذاتی وابستگی بھی تھی، کیونکہ میرے والد مرحوم حاجی جمال الدین کی دکان اور اس زمانے میں ہمارا ایک مکان بھی عبد الرحمن اسٹریٹ میں واقع تھا۔

یہ معمولی سی یاد میرے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے کہ میں نے اردو کے اس عظیم عالم اور محقق کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

خاموش مزاج، بلند کردار

قاضی صاحب کی شخصیت میں تصنع کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ جلسوں کی رونق یا شہرت کے طالب نہیں تھے۔ ان کی اصل قوت ان کا قلم تھا۔ گاؤں کی سادگی، فقیرانہ مزاج، بے نفسی اور خلوص ان کی شخصیت سے جھلکتا تھا۔ نہ مشیخت کا انداز، نہ ظاہری رکھ رکھاؤ، نہ منصب کی نمائش؛ صرف علم، اخلاص اور خدمت۔

بتایا جاتا ہے کہ جامع مسجد ممبئی میں بھی ان کے خطابات ہوتے تھے، مگر انہوں نے ہمیشہ قلم کو زبان پر ترجیح دی۔ ان کے نزدیک خاموش تحقیق اور سنجیدہ تحریر ہی سب سے مؤثر دعوت تھی۔

مرکزِ علمی — ایک چھوٹا سا کمرہ، علم کا ایک بڑا مرکز

عبد الرحمن اسٹریٹ میں جامع مسجد کے قریب پہلی منزل پر ان کا ایک مختصر سا کمرہ تھا جس پر "مرکزِ علمی" کا بورڈ نصب تھا۔

بظاہر یہ ایک نہایت سادہ کمرہ تھا؛ چند کتابوں کی الماریاں، ایک کھٹیا، ایک پاندان، فرش پر چٹائی اور چھوٹی سی دری۔ لیکن حقیقت میں یہی کمرہ ممبئی کے علمی حلقوں کی ایک اہم بیٹھک تھا۔

ملک بھر سے اہلِ علم، ادباء، صحافی اور محققین یہاں حاضر ہوتے، نئی کتابوں پر گفتگو ہوتی، علمی مباحث چلتے، تاریخی مسائل زیرِ بحث آتے اور تحقیق کے نئے زاویے سامنے آتے۔ اس مادہ پرست شہر میں یہ چھوٹا سا کمرہ واقعی علم و معرفت کا چراغ تھا۔

انقلاب میں ان کی یاد آج بھی زندہ ہے

شاعر و صحافی شمیم طارق کے مطابق عبدالحمید انصاریؒ اور قاضی اطہر مبارک پوریؒ کے تعلقات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قاضی صاحب کے لیٹر ہیڈ پر "مدیر انقلاب" درج ہوتا تھا۔

سن ۲۰۰۰ء میں جب روزنامہ انقلاب کی ادارت میں تبدیلی آئی تو کچھ عرصے کے لیے ان کا تاریخی کالم بند ہو گیا۔ بعد ازاں جب مرحوم خالد اے۔ ایچ۔ انصاری کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے سخت ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے قاضی صاحب کی یاد میں "بیادگارِ قاضی اطہر مبارک پوری" کے عنوان سے مستقل کالم دوبارہ جاری کرنے کا حکم دیا۔

آج بھی روزنامہ انقلاب کے اداریہ صفحے پر یہ کالم شائع ہو رہا ہے، جو نہ صرف قاضی صاحب کے علمی ورثے کو زندہ رکھے ہوئے ہے بلکہ اردو صحافت کی ایک خوبصورت روایت کی بھی حفاظت کر رہا ہے۔

ناشرینِ انقلاب اس بات پر بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے اس عظیم قلم کار کی یاد کو وقت کی گرد میں گم نہیں ہونے دیا۔

معلم، محقق اور مصنف

صحافت کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب انجمن اسلام ہائی اسکول، ممبئی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ جمعیت علماء ہند (مہاراشٹر) کے صدر بھی رہے، مگر ان کی اصل شناخت ہمیشہ ایک محقق اور مصنف کی رہی۔

زندگی کے آخری دور میں وہ اپنے آبائی وطن مبارک پور واپس چلے گئے، جہاں الجامعۃ الحجازیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ ماہنامہ برہان کی ادارت بھی سنبھالی اور آخری دم تک علم و قلم کا رشتہ برقرار رکھا۔

علمی وراثت کا تحفظ

آج خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کے پوتے قاضی عدنان مبارک پوری نے قاضی صاحب کی بیشتر کتابوں کو ڈیجیٹل صورت میں محفوظ کر کے نئی نسل کے لیے دستیاب کیا ہے۔ یہ صرف خاندانی خدمت نہیں بلکہ اردو کے علمی سرمائے کی حفاظت کا ایک قابلِ قدر کارنامہ ہے۔

ایک ذاتی احساس

میری صحافتی زندگی میں بے شمار نامور شخصیات سے ملاقات کا موقع ملا، لیکن قاضی اطہر مبارک پوریؒ ان چند بزرگوں میں شامل ہیں جنہیں دیکھنا بھی میرے لیے باعثِ سعادت ہے۔ آج جب ان کی تحریریں پڑھتا ہوں یا روزنامہ انقلاب میں ان کے نام سے شائع ہونے والا کالم دیکھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ علم جسمانی طور پر دنیا سے رخصت ضرور ہو جاتے ہیں، مگر ان کا قلم کبھی نہیں مرتا۔

اللہ تعالیٰ قاضی اطہر مبارک پوریؒ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں بھی علم، تحقیق، اخلاص اور دیانت کی وہی راہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس پر وہ پوری زندگی ثابت قدم رہے۔ آمین۔

"آج جب اردو صحافت تیز رفتاری، اختصار اور سطحیت کے دور سے گزر رہی ہے تو قاضی اطہر مبارک پوریؒ جیسے محقق صحافیوں کی یاد اور بھی تازہ ہو جاتی ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ صحافت محض خبر رسانی کا نام نہیں بلکہ قوم کی فکری رہنمائی، علمی دیانت اور تہذیبی ورثے کی حفاظت کا بھی ایک عظیم فریضہ ہے۔ ان کا قلم آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہے، اور روزنامہ انقلاب میں ان کی یاد کا زندہ رہنا اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ اہلِ علم کبھی حقیقتاً رخصت نہیں ہوتے؛ وہ اپنی تحریروں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔" روزنامہ انقلاب کے ادارتی صفحہ پر دینی کالم میں آج بھی "بیادگار قاضی مبارک پوری" تحریر رہتا ہے جو کہ سابق مالک اور چیئرمین خالد اے ایچ انصاری نے شروع کروایا تھا اور کالم بند کیے جانے پر اُس وقت کے ایڈیٹر کو ڈانٹ پلائی تھی۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ماہ صفر: حقیقت یا نحوست

زمانۂ جاہلیت کی تاریکیوں سے لے کر آج کے ترقی یافتہ دور تک، انسان کی فطرت میں وہم و گمان کی ایک ایسی کمزور ڈور ہمیشہ سے جڑی رہی ہے جو اسے حقیقت کی مضبوط بنیادوں سے ہٹا کر توہمات کے دھندلکوں میں بھٹکاتی رہی۔ ماہِ صفر کے بارے میں پھیلی ہوئی بے اصل باتیں، خود ساختہ خوف اور نسل در نسل منتقل کیے گئے وہمی تصورات اسی انسانی کمزوری کی زندہ مثال ہیں۔ یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے کہ جب عقل کی روشنی مدھم پڑ جائے اور علم کا چراغ بجھنے لگے تو بے بنیاد دھڑکے اور خود ساختہ نحوستیں انسان پر غالب آ جاتی ہیں، حتیٰ کہ ایک عام سا مہینہ بھی حادثات، آفتوں اور مصیبتوں کا سرچشمہ سمجھ لیا جاتا ہے۔

نحوست کے وہمی تصورات کے شکار لوگ ماہِ صفر کو مصیبتوں اور آفتوں کا مہینہ سمجھتے ہیں، خاص طور پر اس کی ابتدائی تیرہ تاریخیں جنہیں "تیرہ تیزی" کہا جاتا ہے، بہت منحوس تصور کی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ صفر کے مہینے میں نیا کاروبار شروع کرنا نقصان دہ ہے، سفر کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ حادثات کا خطرہ ہے، شادیاں یا بچیوں کی رخصتی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ گھر برباد ہو سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ بڑے کاروباری معاملات سے گریز کرتے ہیں، گھر سے باہر آمد و رفت کم کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آفات نازل ہو رہی ہیں، لہٰذا اپنے گھر کے ہر برتن اور سامان کو خوب جھاڑتے ہیں۔

اسی طرح، اگر کسی کے گھر میں اس ماہ میں کوئی فوت ہو جائے تو اسے منحوس قرار دیتے ہیں، اور اگر اسی گھرانے میں لڑکے یا لڑکی کی شادی طے ہوئی ہو تو اسے منسوخ کر دیتے ہیں۔ تیرہ تیزی کے موقع پر سفید چنے یا کابلی چنے کی نیاز دینے کا بھی رواج پایا جاتا ہے۔

جہاں تک نیاز دینے کا معاملہ ہے تو فاتحہ پڑھنا مستحب اور باعثِ ثواب ہے، اور ہر ماہ کی کسی بھی تاریخ پر جائز ہے؛ لیکن یہ سمجھنا کہ اگر "تیرہ تیزی" کی فاتحہ نہ پڑھی جائے یا سفید چنے تقسیم نہ کیے جائیں تو گھر کے کمانے والوں کا روزگار متاثر ہوگا بالکل بے بنیاد اور وہم و خرافات پر مبنی خیال ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"لاعدوی ولاطیرۃ، ولاھامۃ ولاصفر"
"چھوت لگنا، بدشگونی لینا، الو کا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں۔"
(بخاری شریف: کتاب الطب، باب الجذام، حدیث ۵۷۰۷)

محقق علی الاطلاق حضرت علّامہ مولانا شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالیٰ عَلَیْہِ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
"عوام اسے (یعنی صفر کے مہینے کو) بلاؤں، حادثوں اور آفتوں کے نازل ہونے کا وَقت قرار دیتے ہیں، یہ عقیدہ باطِل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔"
(اشعۃ اللمعات: جلد سوم صفحہ ۶۶۴)

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ
"ماہ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں، خصوصاً ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نحس مانی جاتی ہیں اور ان کو تیرہ تیزی کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں"۔ حدیث میں فرمایا کہ "صفر کوئی چیز نہیں"، یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے۔ اسی طرح ذیقعدہ کے مہینہ کو بھی بہت لوگ برا جانتے ہیں اور اس کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے اور ہر ماہ میں ۳، ۱۳، ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸ کو منحوس جانتے ہیں یہ بھی لغوبات ہے۔۔۔
(بہار شریعت جلد سوم حصہ ۱۶ صفحہ ۶۶۲)

صفر کے متعلق زمانہ جاہلیت کا غلط نظریہ:
اہل عرب حرمت کی وجہ سے چار ماہ، رجب المرجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم میں جنگ و جدل اور لوٹ مار سے باز رہتے اور انتظار کرتے کہ یہ پابندیاں ختم ہوں تو وہ نکلیں اور لوٹ مار کریں لہٰذا صفر شروع ہوتے ہی وہ لوٹ مار، رہزنی اور جنگ و جدل کے ارادے سے جب گھروں سے نکلتے تو ان کے گھر خالی رہ جاتے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: "صفر المکان (مکان خالی ہو گیا۔ جب عربوں نے دیکھا کہ اس مہینے میں لوگ قتل ہوتے ہیں اور گھر برباد یا خالی ہو جاتے ہیں تو انہوں نے اس سے یہ شگون لیا کہ یہ مہینہ ہمارے لئے منحوس ہے اور گھروں کی بربادی اور ویرانی کی اصل وجہ پر غور نہیں کیا، نہ اپنے عمل کی خرابی کا احساس کیا اور نہ ہی لڑائی جھگڑے اور جنگ و جدال سے خود کو باز رکھا بلکہ اس مہینے کو ہی منحوس ٹھہرا دیا۔

کسی دن کو منحوس سمجھنا یہود کا طریقہ ہے:
علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی قدس سرہ لکھتے ہیں: علامہ حامد آفندی علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا: کیا بعض دن منحوس یا مبارک ہوتے ہیں جو سفر اور دیگر کام کی صلاحیت نہیں رکھتے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جو شخص یہ سوال کرے کہ کیا بعض دن منحوس ہوتے ہیں اس کے جواب سے اعراض کیا جائے اور اس کے فعل کو جہالت کہا جائے اور اس کی مذمت بیان کی جائے، ایسا سمجھنا یہود کا طریقہ ہے، مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔

کونسا وقت کونسا دن منحوس ہوتا ہے؟
مشہور مفسر شارح حدیث حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اسلام میں کوئی دن یا کوئی ساعت منحوس نہیں ہاں بعض دن بابرکت ہیں۔

تفسیر روح البیان میں ہے: صفر وغیرہ کسی مہینے یا مخصوص وقت کو منحوس سمجھنا درست نہیں، تمام اوقات اللہ عزوجل کے بنائے ہوئے ہیں اور ان میں انسانوں کے اعمال واقع ہوتے ہیں۔ جس وقت میں بندہ مومن اللہ عزوجل کی اطاعت و بندگی میں مشغول ہو وہ وقت مبارک ہے اور جس وقت میں اللہ کریم کی نافرمانی کرے وہ وقت اس کے لئے منحوس ہے۔ در حقیقت اصل نحوست تو گناہوں میں ہے۔
(ماخوذ: فیضان صفر المظفر، صفحہ ۲۹ مطبوعہ دعوت اسلامی)

ماہ صفر کا آخری بدھ منانا:
ماہ صفر کا آخر چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینۂ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، وہ باتیں خلاف واقع ہیں۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں، بلکہ حدیث کا یہ ارشاد "لاصفر" یعنی صفر کوئی چیز نہیں۔ ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے۔
(بہار شریعت جلد سوم حصہ ۱۶ صفحہ ۶۶۳)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ایسے نظریات سے بچیں، کیونکہ یہ سراسر شریعت کے خلاف ہیں۔ اسلام میں نہ کوئی مہینہ، نہ کوئی دن اور نہ کوئی ساعت نہ کوئی تاریخ منحوس ہے۔ ہر مہینہ، ہر دن اور ہر تاریخ رب تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں، اور اس نے ان میں سے کسی کو منحوس قرار نہیں دیا۔

خامہ فرسائی: محمد اشفاق عالم امجدی علیمی
(بچباری آباد پور (کٹیہ-ار)
استاذ و مفتی: جامعہ مصباح العلوم کد متلی پوکھریا

تلاش کی سمت

محمد علی شیر قادری نظامی
سکونت: روضہ شریف، مہوتری نیپال

زندگی کی شاہراہ پر چلنے والا ہر انسان کسی نہ کسی تلاش میں ہے۔ کوئی دولت کا مسافر ہے، کوئی عزت کا متلاشی، کوئی شہرت کے سراب کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور کوئی آسائشوں کے خواب سجا رہا ہے۔ ہر قدم پر ایک جستجو ہے، ہر سانس میں ایک آرزو، اور ہر دل میں کسی نہ کسی کمی کا احساس۔

لیکن اہل دل کہتے ہیں کہ انسان کی تمام بے چینیوں کا سبب صرف یہ ہے کہ اس نے اپنی تلاش کی سمت بدل دی ہے۔ وہ رزق کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے رزّاق سے دور ہو گیا، نعمتوں کے تعاقب میں منعم کو بھول گیا، اور دروازوں پر دستک دیتے دیتے اس در کے آداب بھول بیٹھا جہاں سے تمام دروازے کھلتے ہیں۔ اسی حقیقت کو ایک صاحبِ دل نے چند لفظوں میں یوں سمو دیا: "دن کی روشنی میں رزق تلاش کرو، اور رات کی خاموشی میں اُس ذات کو تلاش کرو جو رزق عطا کرتی ہے۔" یہ جملہ نصیحت کم اور معرفت کا دروازہ زیادہ ہے۔ جو اس کے باطن تک پہنچ گیا، اس نے زندگی کا راز پا لیا۔ دن کی روشنی ہمیں بازاروں کی طرف لے جاتی ہے، لیکن رات کی تاریکی ہمیں بارگاہِ الٰہی تک پہنچاتی ہے۔ دن میں ہاتھ حرکت کرتے ہیں، رات میں دل جاگتے ہیں۔ دن میں قدم زمین پر چلتے ہیں، رات میں روح آسمانوں کی طرف پرواز کرتی ہے۔ اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ رزق صرف وہ نہیں جو دسترخوان پر آ جائے، بلکہ اصل رزق وہ ہے جو دل کو اللہ کی یاد سے آباد کر دے۔ اگر دل ویران ہو تو سونے کے محل بھی اجڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اور اگر دل آباد ہو تو خشک روٹی بھی نعمت بن جاتی ہے۔ آج انسان نے رزق کی تلاش کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ اس کی دوڑ شروع ہوتی ہے اور رات کی آخری ساعت تک ختم نہیں ہوتی۔ وہ حساب کرتا ہے کہ آج کتنا کمایا، کتنا بچایا اور کتنا بڑھایا؛ مگر اس نے کبھی یہ حساب نہیں کیا کہ آج اللہ کو کتنا یاد کیا، کتنی دیر اس کے حضور بیٹھا، کتنی بار دل نے اپنے مالک کو پکارا۔ یہی وجہ ہے کہ مال بڑھتا جا رہا ہے، مگر دل تنگ ہوتے جا رہے ہیں۔ گھروں میں سامان بڑھ رہا ہے، مگر سکون کم ہوتا جا رہا ہے۔ چہروں پر مسکراہٹ ہے، مگر آنکھوں میں اطمینان نہیں۔ اس لیے کہ سکون بازار سے نہیں ملتا، سکون اُس کے در سے ملتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں دلوں کا اطمینان ہے۔ اہلِ تصوف ہمیشہ ایک حقیقت بیان کرتے آئے ہیں کہ دنیا کو ہاتھ میں رکھو، دل میں نہیں۔ ہاتھ تجارت کریں، مگر دل ذکر کرے۔ زبان لوگوں سے گفتگو کرے، مگر باطن ہر لحہ اپنے رب سے ہم کلام رہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جسے قرآن نے ذکرِ کثیر اور اہل اللہ نے حضورِ قلب کا نام دیا ہے۔ دن اسباب کا عالم ہے۔ یہاں ہل چلانا بھی عبادت ہے، قلم اٹھانا بھی عبادت ہے، مزدوری کرنا بھی عبادت ہے اور تجارت کرنا بھی عبادت ہے، بشرطیکہ نیت اللہ کی رضا ہو اور رزق حلال ہو۔ مگر اگر دن کا اختتام اللہ کی یاد پر نہ ہو تو محنت جسم کو تو تھکا دیتی ہے، روح کو آسودگی نہیں دیتی۔ اسی لیے رات مومن کے لیے صرف آرام کا وقت نہیں، ملاقات کا وقت ہے۔ یہ وہ ساعت ہے جب آسمانِ رحمت کے در وا ہوتے ہیں، جب دعا کے آنسو عرش تک پہنچتے ہیں، جب بندہ دنیا کی بھیڑ سے نکل کر اپنے رب کے حضور تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ رات کی تنہائی میں بہنے والا ایک آنسو، دن بھر کی بے شمار مشقتوں سے زیادہ قیمتی ہو سکتا ہے؛ کیونکہ دن کا پسینہ زمین پر گرتا ہے، مگر رات کا آنسو آسمان تک پہنچتا ہے۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ جس دل کو رات کی خلوت نصیب ہو جائے، اسے دن کی ہنگامہ خیزی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جو بندہ سحر کے وقت اپنے رب کے در پر جھک جاتا ہے، اللہ تعالیٰ دن بھر اسے لوگوں کے سامنے جھکنے سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ جو ہاتھ رات کو دعا کے لیے اٹھتے ہیں، وہ دن میں کسی حرام کی طرف نہیں بڑھتے۔ اور جو آنکھ تہجد میں نم ہو جائے، وہ دنیا کی چمک سے دھوکا نہیں کھاتی حقیقت یہ ہے کہ رزق صرف روٹی کا نام نہیں۔ ایمان بھی رزق ہے، عافیت بھی رزق ہے، علم بھی رزق ہے، صالح اولاد بھی رزق ہے، اچھے دوست بھی رزق ہیں، قناعت بھی رزق ہے، اور سب سے بڑا رزق وہ دل ہے جس میں اللہ کی محبت اتر آئے۔

اہلِ اللہ کہا کرتے تھے کہ لوگ اللہ سے رزق مانگتے ہیں، ہم اللہ ہی کو مانگتے ہیں؛ کیونکہ جسے اللہ مل جائے، اس سے بڑھ کر کوئی نعمت باقی نہیں رہتی۔ جسے مالک مل جائے، اس کے لیے خزانے خود اپنی حیثیت کھو دیتے ہیں۔ پس اے مسافرِ دنیا! دن میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہو، رزقِ حلال کی تلاش کو عبادت سمجھ کر محنت کر، لیکن رات کو اپنے دل کو بھی اس کا حق دے۔ اپنے رب کے حضور بیٹھ، خاموشی سے اپنا حال کہہ، اپنی بے بسی کا اقرار کر، اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہا، اور اس ذات سے تعلق جوڑ لے جس کے خزانوں میں کبھی کمی نہیں آتی۔

یاد رکھ! دنیا کی تلاش تجھے تھکا سکتی ہے، مگر اللہ کی تلاش تجھے زندہ کر دے گی۔ رزق تیرے جسم کو باقی رکھتا ہے، لیکن رزّاق کی معرفت تیری روح کو حیات عطا کرتی ہے۔ پس زندگی کا خلاصہ یہی ہے کہ: دن کو زمین پر اپنا فرض ادا کرو، اور رات کو آسمانوں کے مالک سے اپنا رشتہ مضبوط کرو۔ دن رزق کے لیے ہو، مگر رات رزّاق کے لیے۔

اور جب بندہ رزّاق تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کے لیے رزق صرف ایک نعمت نہیں رہتا، بلکہ ہر نعمت کے پیچھے اپنے رب کی محبت کی خوشبو محسوس ہونے لگتی ہے۔

دین میں بے جا رائے زنی ایک خطرناک فتنہ

محمد عادل ارریاوی
۵ صفر المظفر ۱۴۴۸ھ

اللہ ربّ العزت نے دینِ اسلام کو قیامت تک کے لیے کامل محفوظ اور انسانیت کی کامل رہنمائی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس مقدس دین کے احکام و مسائل میں گفتگو فتویٰ اور رائے زنی کا حق ہر شخص کو نہیں بلکہ صرف ان اہلِ علم کو حاصل ہے جنہوں نے قرآن و سنت فقہ اور اصولِ شریعت میں گہری بصیرت حاصل کی ہو۔ جب علم کے بغیر دین میں اظہارِ رائے عام ہو جائے تو حق و باطل خلط ملط ہونے لگتے ہیں اور یہی امت کے لیے ایک نہایت خطرناک فتنہ ہے۔

آج کل کثرت سے دیکھنے وسننے میں آ رہا ہے کہ علم و تحقیق کے بغیر دین کے بارے میں ہر عام و خاص کی طرف سے بحث و مباحثے اور خیال آرائیوں کا بازار گرم ہے خواہ کوئی عقیدہ کا مسئلہ ہو یا نماز و روزہ کا مسئلہ اور خواہ کوئی حلال و حرام کا معاملہ ہو جو مسئلہ بھی کسی محفل مجلس میں زیر بحث آتا ہے ہر عام و جاہل اس میں بڑی دلیری کے ساتھ دل چسپی لیتا ہے اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور کسی نہ کسی حیثیت سے اس میں اپنے من گھڑت اجتہاد کا حصہ شامل کرنے کا متمنی اور متلاشی نظر آتا ہے۔ بعض اوقات دین کے بارے میں بحث و مباحثے اور گفت و شنید کا یہ سلسلہ اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ ہر شخص دین کے مسئلے پر حاشیہ پر حاشیہ چڑھاتا جاتا ہے اس طرح کسی بھی دینی مسئلے کی وہ گت بنا دی جاتی ہے کہ الامان الحفیظ لوگوں کی یہ جرات زیادہ تر دین کے بارے میں ہی سامنے آتی ہے دنیا کے دوسرے علوم و فنون میں اس طرح کی جرات کرنے کی ہر کس و ناکس کو ہمت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ڈاکٹری یا انجینئر نگ کے شعبے میں عام طور پر نا واقف شخص کو اس طرح زبان درازی کی ہمت نہیں ہوتی مگر دین کا معاملہ اتنا سستا اور ہلکا سمجھ لیا گیا ہے کہ نہ اس کے لیے علم کی ضرورت سمجھی جاتی اور نہ کسی ماہر عالم کی رہنمائی ڈاکٹر سے لے کر موچی وںائی تک اس میں دیدہ دلیری اور سینہ زوری سے کام لیتا ہے۔

حالانکہ دین کے بارے میں علم کے بغیر بحث و مباحثے اور اظہار خیال کا کرنا گناہ ہے اور دین کا معاملہ دنیا کے مقابلے میں بہت نازک ہے اگر دنیا کے کسی معاملہ میں غلط رائے بھی قائم ہو جائے اور کوئی غلط تبصرہ بھی ہو جائے تو اس کا اتنا نقصان نہیں جتنا دین کے معاملہ میں رائے زنی کرنے کا نقصان ہے کیوں کہ دنیا کا معاملہ تو زیادہ تر دنیا ہی میں ختم ہو جاتا ہے مگر دین کا معاملہ دنیا میں ختم نہیں ہوتا بلکہ آخرت تک جاری رہنے والا ہے۔ بلا تحقیق دین میں رائے زنی کا مرض عام ہو جانے کے نتیجے میں آج ہر شخص مجتہد بنا بیٹھا ہے اور دین کے احکام کا آپریشن کرنے میں لگا ہوا ہے۔

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ستر سے زیادہ فرقے ہو جائیں گے ان فرقوں میں سب سے بڑے فتنہ ساز میری امت میں وہ لوگ ہوں گے جو دینی معاملات میں رائے زنی اور قیاس آرائی سے کام لیں گے اور وہ حرام کو حلال قرار دیں گے اور حلال کو حرام قرار دیں گے۔ (مسند البزا۔ رقم الحدیث ۲۷۵۵)

اسی بے جا جرأتِ اظہار کا ایک خطرناک نتیجہ یہ بھی سامنے آ رہا ہے کہ لوگ قرآن و حدیث کی نصوص کو اپنے ناقص فہم کے مطابق سمجھنے اور سمجھانے لگے ہیں۔ نہ اصولِ تفسیر سے واقفیت نہ اصولِ حدیث سے آگاہی نہ فقہ و اجتہاد کے ضوابط کا علم اس کے باوجود بڑے اعتماد کے ساتھ دینی احکام پر فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔ سوشل میڈیا نے اس بیماری کو اور زیادہ بڑھا دیا ہے جہاں چند سطریں پڑھ کر یا ایک مختصر ویڈیو دیکھ کر بہت سے لوگ خود کو دین کا ترجمان سمجھنے لگتے ہیں پھر وہ دوسروں کی اصلاح کے نام پر ایسی باتیں پھیلانے لگتے ہیں جن کا شریعت سے کوئی مضبوط تعلق نہیں ہوتا۔

حالاں کہ دینِ اسلام قیاس آرائیوں خواہشات اور ذاتی آراء کا نام نہیں بلکہ وحیِ الٰہی قرآن کریم سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اجماع امت اور معتبر اہل علم کی تشریحات پر قائم ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ اس لیے جس شخص کو دینی علوم میں مہارت حاصل نہ ہو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی رائے کو دین نہ بنائے بلکہ اہلِ علم کی طرف رجوع کرے۔ یہی طریقہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور اسلاف امت کا رہا ہے کہ جس مسئلے کا علم نہ ہوتا اس میں بلا جھجک اہل علم سے رجوع کرتے تھے اور اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج علم سے زیادہ اعتمادِ نفس کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ جو شخص دو چار کتابوں کے اقتباسات پڑھ لیتا ہے یا چند ویڈیوز سن لیتا ہے یا تبلیغی جماعت میں کچھ وقت لگا لیتا ہے وہ اپنے آپ کو محقق مفتی اور مجتہد سمجھنے لگتا ہے۔ نتیجتاً امت میں انتشار اختلاف بدگمانی اور دینی بے راہ روی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ دین کے کسی بھی مسئلے میں زبان کھولنے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کرے مستند علماء سے رجوع کرے اور جس بات کا علم نہ ہو اس میں خاموشی اختیار کرے کیونکہ یہی تقویٰ احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔

اللہ ربّ العزت ہمیں صحیح علم فہم اور دین پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی اور بے جا رائے زنی سے ہماری مکمل حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔
۸۲۳۵۷۰۳۰۶۱

اعلیٰ حضرتؒ کی تعلیمات میں محبتِ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خوشبو

از مولانا کمال احمد امجدی خادم التدریس دار العلوم عزیزیہ اشاعت العلوم سسوا بازار

* اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے عظیم بندے پیدا فرمائے جنہوں نے دینِ اسلام کی خدمت، سنتِ نبوی ﷺ کی اشاعت اور عشقِ رسول ﷺ کی آبیاری کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ انہی نفوسِ قدسیہ میں سرکارِ اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمہ کا نام نہایت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ آپ کی پوری زندگی عشقِ رسولِ اکرم ﷺ، اتباعِ سنت اور دفاعِ عقائدِ اہلِ سنت سے عبارت ہے۔ آپ کی تعلیمات کا مرکزی پیغام یہی تھا کہ ایمان کی جان محبتِ رسول ﷺ ہے، اور اسی محبت کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے علم، قلم اور کردار سے مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی شمع روشن کی۔ آپ نے واضح فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر، آپ کی اطاعت، آپ کی سنتوں سے محبت اور آپ کے ذکر سے قلب و روح کو منور رکھنا ہی ایک سچے مسلمان کی پہچان ہے۔ آپ کے نزدیک محبتِ رسول ﷺ صرف جذبات کا نام نہیں بلکہ شریعت کی مکمل پابندی، حسنِ اخلاق اور اطاعتِ الٰہی کا عملی اظہار ہے۔ آپ کی شہرۂ آفاق نعتیہ شاعری، خصوصاً حدائقِ بخشش، عشقِ رسول ﷺ کا ایسا لازوال خزانہ ہے جس نے دنیا بھر کے عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے دلوں کو گرمایا۔ آپ کے اشعار میں ادب، عقیدت، عاجزی

فتاویٰ رضویہ نے شریعت کا ہر باب نکھار دیا،
کنز الایمان نے عشقِ قرآن کو عام و آشکار کیا،
حدائقِ بخشش سے مہکا گلشنِ عشقِ رسولِ کریم ﷺ،
ہزاروں تصانیف نے احمد رضا کو امامِ اہلِ سُنّت قرار دیا،
علم و عمل کا آفتاب، رضا کا وہی نشان،
سنّت کا پاسباں، تھا احمد رضا کی شان،
عشقِ نبی ﷺ سے روشن ہے ہر اک دل و جاں،
رہتی ہے تا ابد زندہ، اعلیٰ حضرت کی پہچان،

ائندہ شمارہ سو ہفتے پورے کرے گا جس میں ہم خصوصی ضمیمہ شائع کریں گے ان شاءاللہ

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810